ہفت روزہ
الفتح
کراچی

نیشنل آئل ریفائنری
پردہ چاک



پاک امریکی تعلقات کا پس منظر

۱۲-۱۹ جولائی ۱۹۷۳ء

قیمت ۷۵ پیسے
ہوائی ڈاک سے ایک روپیہ

ANWAR SAMI-73

ہفت روزہ
الفتح

کل بھی زیرِ عتاب تھا، آج بھی ہے

تنقید کا مقصد حکومت کی اصلاح کرنا ہے

پنجاب یونیورسٹی اینڈ منسٹریل اینڈ ٹیکنیکل سٹاف ایکشن کمیٹی کے چیئرمین محمد ادریس بٹ نے ہفت روزہ الفتح کے نیوز پرنٹ کا کوٹہ منسوخ ہونے پر سخت دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے اس اقدام کو آزادیٔ صحافت کا گلا گھونٹنے کے مترادف قرار دیا اور کہا کہ اس ملک میں جتنے اخبار، ہفت روزہ یا ماہنامہ شائع ہوتے ہیں، ان سب میں الفتح ہی ایسا جریدہ ہے جسے غیر جانبدار صحافت کا علمبردار کہا جا سکتا ہے، جبکہ باقی سب کسی نہ کسی خاص گروپ کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ یحییٰ دورِ آمریت کے الفتح کے شماروں کو آج بھی اٹھا کر دیکھا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ الفتح میں ملک کو درپیش اندرونی و بیرونی مسائل اور سیاسی صورتِ حال پر جو کچھ لکھا گیا تھا - وہ تمام وقت کے ساتھ ساتھ بالکل درست ثابت ہوا ہے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ ہم شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ الفتح میں موجودہ حکومت پر بے باک و جرأت مند تنقید کی جا رہی ہے۔ اس کا مقصد حکومت دشمنی ہرگز نہیں بلکہ عوامی حکومت کو اس کی خامیوں سے متعارف کروا کر ان کی اصلاح کرنا ہے۔ تاکہ موجودہ حکومت کی جڑیں عوام میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جائیں اور ملک و ملت کی سلامتی و استحکام کیخلاف کام کرنے والی طاقتیں کہیں اپنے گھناؤنے عزائم میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ خدشہ ہے کہ جس حکومت کو اس ملک کے مزدور، کسان، طالب علم، دانشور اور محبِ وطن و ترقی پسند طاقتیں بے شمار قربانیاں دے کر لائی ہیں۔ کہیں عوام کی قربانیوں سے بنائی ہوئی پیپلز پارٹی کنونشن لیگ اور ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت ایوب یحییٰ حکومت کی شکل اختیار نہ کر لے۔

بیان میں صدر پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو، حکومت سندھ اور مرکزی وزیرِ اطلاعات و نشریات سے پُر زور مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ طالب علموں، مزدوروں، کسانوں، دانشوروں اور اس ملک کی ترقی پسند محبِ وطن طاقتوں کے جذبات کے پیشِ نظر، جمہوریت کے تقدس کی خاطر اور آزادیٔ صحافت کا احترام کرتے ہوئے الفتح کے نیوز پرنٹ کا کوٹہ بحال کر دیں اور اس کی جائز و بے باک تنقید سے گھبرانے کی بجائے ملکی پالیسیوں کو ترتیب دیتے وقت الفتح کے مشوروں کو بھی مدِنظر رکھا جائے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جب ایوب یحییٰ جیسے بدترین آمروں کی حکومت تھی اس وقت بھی الفتح زیرِ عتاب رہا اور آج بھی جبکہ اس قائد کی حکومت ہے جس کو الفتح نے زبردست حمایت اور پروپیگنڈہ بخشا۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ ایسے موقع پر کچھ یوں کہا جا سکتا ہے۔

رونا ہے یہ کہ آپ بھی ہنستے ہیں ورنہ یاں
طعنِ رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا!

سینما ورکرز فیڈریشن کی جنرل باڈی کا ایک اجلاس زیرِ صدارت چوہدری کرامت حسین منعقد ہوا، جس میں ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ "الفتح" کے نیوز پرنٹ کے کوٹے کو جلد بحال کرے۔ کیونکہ ہفت روزہ الفتح صنعتی اور زرعی مزدوروں کی "صدائے حق پرست" ہے۔ عوامی تحریک میں "الفتح" کی بھرپور شرکت اور مفلسوں کی ترجمانی اس کے خلوص کا زندہ ثبوت ہے۔ اور نیوز پرنٹ کوٹہ کی منسوخی آزادیٔ تحریر کے قتل کے مترادف ہے۔

صدائے حق کو دبانا اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ برسرِ اقتدار طبقے کا نعرہ آزادیٔ تحریر و تقریر درحقیقت کھوکھلا ہے۔ اس کے علاوہ جمہوریت کے بلند بانگ دعوے حکومت کے ڈھول کا پول کھول رہے ہیں۔ قرارداد کے آخر میں ملک میں بڑھتی ہوئی غنڈہ گردی اور روزمرہ اشیائے خوردنی کی انتہائی گرانی پر بھی تشویش کا اظہار کیا گیا۔

خدا کی بستی کے مظلوم
عوام کا ترجمان

مدیر
وہاب صدیقی

۱۲-۱۹ جولائی ۱۹۷۳ء
قیمت :- ۷۵ پیسے
ہوائی ڈاک سے : ایک روپیہ

اداریہ

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد : ۴ — شمارہ : ۹

خاص مضامین

سرورق : انور سمیع
عکاس : گرینگو

فون : ۴۱۲۲۷۴

نمبردار کے نئے محافظ

کسان بستی میں رنگ برنگی وردیوں والے چوکیداروں کی تعداد بڑھ رہی ہے - یہ کڑیل چاک و چوبند اور بندوقوں سے لیس چوکیدار گلیوں کوچوں میں قدم قدم پر کھڑے یا گھومتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں - کچھ ایسے بھی ہیں جو گاڑیوں میں ٹرکوں میں یا بسوں میں جگہ جگہ پر متعین ہوتے ہیں - کسان بستی والے پریشان ہیں کہ اپنے ہی محلوں میں اپنی ہی گلیوں میں اپنی ہی سڑکوں پر یہ چوکیدار کس دشمن کی تاک میں ہیں - ہر کوئی ان چوکیداروں کی بات کر رہا ہے -

بستی میں نمبردار کے کارندے کہہ رہے ہیں کہ امن قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ چوکیداروں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے ان کا کام چوری ، ڈکیتی ، لوٹ مار اور دوسرے جرائم کو ختم کرنا ہے - انہیں بندوقیں اور دوسرے آلات سے اس لئے لیس کیا گیا ہے کہ ماضی میں ان کے پاس ان ہتھیاروں کی کمی کی وجہ سے جرائم بڑھے - یہ تو نمبردار کے کارندوں کا کہنا ہے - اسے سچ مان لیا جائے

ارشاد راؤ پبلشر نے حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ الفتح ، ۸ ڈی - نرسری کمرشل ایریا پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

تو بستی میں چوریوں - ڈکیتیوں ، آبرو ریزی کی وارداتوں منشیات کے کھلے کاروبار، اشیاءِ خوردنی میں کئی سو فیصد ملاوٹ ، غنڈہ گردی اور دہشت انگیزی بدستور جاری ہے - رشوت مانگنے والوں کی تعداد اور درجے بڑھ گئے ہیں - غنڈہ گردی کا یہ عالم ہے کہ سرِ عام لڑکیوں کے اغوار اور ان کے قتل کی وارداتیں معمول بن گئی ہیں - جب ہر گلی میں مسلح چوکیدار موجود ہیں تو یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے -

بستی والوں کو نمبردار کے کارندوں کی بات کا یقین نہیں آ رہا - یہ چوکیدار کسی اور کام کیلئے مامور کئے گئے ہیں - پوری بستی چوکیداروں کی ریاست میں تبدیل ہو رہی ہے تو لوگ یہ کہتے ہوئے سنائی دے رہے ہیں کہ ہو نہ ہو ان چوکیداروں کو ان لوگوں کو کچلنے کے لئے بھرتی کیا گیا ہے جو بھوک کی حالت میں روٹی مانگیں گے ، روزگار کا مطالبہ کریں گے ، ظلم کیخلاف صف آرا ہوں گے اور گلیوں میں موجود چوکیداروں کی طاقت سے یا تو خوف زدہ ہو جائیں گے یا پھر اُٹھ کھڑے ہوں گے -

بستی والے اپنے نمبردار کی ان باتوں کو یاد کر کے کُملا جاتے ہیں جب خود انہوں نے بستی کی نمبرداری سنبھالنے سے پہلے لوگوں سے کہا تھا . تم طاقت کا سرچشمہ ہو - اب وہ محسوس کر رہے ہیں کہ طاقت کا سرچشمہ تو شاید وہ چوکیدار ہے جو بندوق لئے گھوم رہا ہے -

بستی والوں کو جب یہ خبر ہوتی ہے کہ فلاں روز نمبردار اُن کے محلے سے گزرے گا تو اس روز یہ چوکیدار ایک ایک قدم کے فاصلے پر بندوقیں تانے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں - اور ہر سو گز کے فاصلے پر ایک ٹرک میں دو دو سو چوکیدار اپنے اپنے مورچوں پر ڈٹے ہوتے ہیں - یہ تو وردی والوں کا حال ہے شائد اتنی ہی تعداد میں سفید کپڑوں میں ملبوس چوکیدار دکھائی دیتے ہیں ، بستی کے لاکھوں لاکھوں کے اجتماعات سے مخاطب ہونیوالے نمبردار کی اتنی کڑی چوکیداری کیا کیا شکوک وشبہات کو جنم دیتی ہے - بستی والے سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں کہنے والا عوام سے اَب اتنا محتاط ہو گیا ہے . کیا اب عوام کی طاقت سے اعتماد اٹھ گیا ہے یا پھر عوام میں کوئی ایسا جیالا - کوئی ایسا نڈر . کوئی ایسا جانباز ، کوئی ایسا جان نثار ایک بھی نہیں رہا جو نمبردار کے دشمن کی طرف سے بڑھنے والے ہاتھوں کو اُٹھنے سے پہلے ہی توڑ ڈالے - نمبرداری کا منصب سنبھالنے سے پہلے تو ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی - گلیاں ، کوچے ، محلے جن میں آج چوکیدار دندنا رہے ہیں اُن میں ایسے شہیدوں کا لہو آج بھی تازہ ہے جو نمبردار کی طرف چلنے والی گولی کے سامنے سینہ سپر ہو گئے - یہ لہو آج ماتم کناں ہے کہ وہ لوگ جو نمبردار پر حملہ آور ہوتے تھے انہوں نے ہی آج اُس کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھال لی - وہ مشیر ہیں ، کرتا دھرتا ہیں - اور سیاہ وسفید کے مالک ہیں -

بستی والے دیکھ رہے ہیں کہ اب ہر جگہ ہر مقام اور ہر منصب پر اُسے مامور کیا جاتا ہے جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ طاقت کا سرچشمہ جاگیردار ، طاقت کا سرچشمہ سرمایہ دار ، طاقت کا سرچشمہ مسلح چوکیدار - طاقت کا سرچشمہ غنڈے ہیں - طاقت کا سرچشمہ مزدوروں کے قاتل - طاقت کا سرچشمہ کسانوں کے قاتل اور بستی کا محافظ نمبردار نہیں بلکہ وہ غیر ملکی آدم خور شکاری ہے جو دنیا کی تمام بستیوں کے

(باقی صفحہ ۳۱ پر ملاحظہ فرمائیں)



مشرقِ وسطیٰ کی سیاست میں امریکہ موت کا سوداگر بن گیا

ویتنام میں ذلت آمیز شکست کھانے کے بعد امریکی سامراج نے اپنی پوری توجہ مشرقِ وسطیٰ پر مرکوز کر دی ہے۔ وہ اس خطۂ ارض کو "دوسرا ویتنام" بنانا چاہتا ہے جہاں نگ کائی شیک، پاک جنگ ہی اور جنرل تھیو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے یہ پرانا شکاری نئے جال کی بجائے پرانا جال ہی لایا ہے اور یہ جال اسلحہ کی فراہمی اور فوجی امداد کا ہے۔ گزشتہ جون کے پہلے ہفتے میں واشنگٹن میں کویت اور امریکہ کے حکام نے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت امریکہ، کویت کو ایک ارب ڈالر کی مالیت کا اسلحہ سپلائی کرے گا۔ ماہ جون میں ہی امریکہ نے سعودی عرب کو ۲۰ کروڑ ڈالر کا اسلحہ دینے کا وعدہ کیا، ایران بھی بھاری تعداد میں اسلحہ خرید رہا ہے۔ اب تک وہ ۲ ارب ۵۰ کروڑ ڈالر کی مالیت کا اسلحہ خرید چکا ہے آئندہ سالوں میں اس سے بھی زیادہ اسلحہ خریدنے کا پروگرام مرتب کر چکا ہے۔ اس وقت امریکی فوجی ماہرین کی ایک بڑی تعداد ایران میں موجود ہے، جو ایرانی فوجیوں کو "تربیت" دے رہی ہے۔

امریکی سامراج ان ممالک کو اسلحہ کیوں سپلائی کر رہا ہے؟ امریکہ کے مقاصد کیا ہیں؟ مقاصد یہ ہیں۔

و — برطانوی فوجیوں کے انخلاء سے جو خلا پیدا ہوا ہے، اسے پُر کرنا۔

و — ایران، خلیج اور عرب ممالک سے تیل کی فراہمی کی ضمانت حاصل کرنا۔

و — اس خطہ کو اپنے فاضل فوجی سازوسامان کے لئے بطور منڈی استعمال کرنا۔

و — ایران، خلیج اور عرب ممالک میں تحریکاتِ آزادی کو کچلنا، رجعت پسندوں، آمروں اور فوجی آمریت کی راہ ہموار کرنا۔

جب برطانوی نوآبادکاروں نے اپنے داخلی بحران پر قابو پانے کے لئے سویز کے مشرقی کنارے سے اپنی فوجیں واپس بلوانے کا فیصلہ کیا، تو وائٹ ہاؤس سے کہا گیا کہ برطانوی فوجوں کے انخلا سے توازنِ طاقت بگڑ جائیگا، ایک خلا پیدا ہو جائے گا اور امریکہ کا فرض ہے کہ وہ "جمہوریت" اور "امن" کی خاطر طاقت کے اس خلا کو پُر کرے۔ امریکی عوام اس کے حق میں نہیں تھے۔ وائٹ ہاؤس کے اربابِ اقتدار نے رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے دنیا کے سامراج نواز اور عوام دشمن "دانش وروں" کا ایک مذاکرہ منعقد کیا، جس میں اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا گیا۔ اس مذاکرے، "دانشوروں" کے قیام اور آمد و رفت کے اخراجات رسوائے زمانہ پنٹاگون نے برداشت کئے۔ اور مذاکرے کا ڈرامہ رچا کر امریکی عوام کو دھوکا دیا گیا۔ بحرین کے اڈے سے برطانوی فوجوں کے انخلا کے فوراً بعد یہ اڈہ امریکہ نے ٹھیکے پر لے لیا۔

ایران، خلیج اور عرب ممالک کے تیل کے ذخائر فوجی اڈوں کے لئے جدوجہد اور کشمکش کا سب سے اہم سبب ہیں۔ بحرِ ہند اور خلیج کی سیاست کا اصلی نام "تیل" ہے۔ امریکی پٹرولیم انسٹی ٹیوٹ کے ایک اندازے کے مطابق ۱۹۸۵ء تک امریکہ میں تیل کی درآمد میں ۷۵ فی صد اضافہ ہو جائیگا۔ امریکی بحریہ کے چیف آف اسٹاف کا کہنا ہے کہ اس وقت امریکہ میں روزانہ تیل کا استعمال ۱۲ ملین بیرل ہوگا، جس کا ایک بڑا حصہ مشرقی نصف کرۂ ارض سے آئیگا۔ مغربی یورپ اپنی

حکومت بنگلہ دیش کو تسلیم کر

سامراج کی حاشیہ برداری پاکستان کو تباہ کردے گی

ضروریات کا تقریباً ۸۵ فیصد اور جاپان تقریباً ۹۰ فیصد تیل اسی علاقے سے حاصل کرتا ہے۔ امریکہ اس علاقے کے تیل پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ بلا روک ٹوک تیل کی سپلائی جاری رہے۔ اسرائیل کو امریکہ کی غیر مشروط امداد کے پیش نظر عرب ممالک اکثر و بیشتر تیل کی فراہمی بند کرنے کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں عرب، اسرائیل جنگ کے بعد عرب ممالک نے امریکہ کو تیل کی سپلائی روک دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن سعودی عرب نے یہ فیصلہ ماننے سے انکار کردیا۔ اور عرب ممالک کو اتنا مجبور کیا کہ انہیں اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔ اب امریکی سامراج، ایران، کویت اور سعودی عرب کو اسلحہ دیکر اپنا دست نگر بنا دینا چاہتا ہے اور اتنا مجبور کردینا چاہتا ہے کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ کیونکہ اگر ان ممالک نے اس کا حکم نہیں مانا تو وہ اسلحہ کی سپلائی، فاضل پرزوں کی فراہمی روک کر انہیں اپنے قدموں میں جھکنے پر مجبور کرسکتا ہے۔

ویت نام کی جنگ کے بعد امریکہ میں فوجی اسلحہ اور سازوسامان کی پیداوار بہت فاضل ہوگئی۔ اسلحہ سازی کے کارخانوں کے بند ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ دوسری جانب ڈالر کی قیمت میں کمی اور تیل کی ضروریات میں اضافہ کی وجہ سے امریکہ کا توازنِ ادائیگی بگڑ گیا۔ چنانچہ امریکہ نے اپنے فاضل فوجی اسلحہ کے لیے ایران، کویت اور سعودی عرب کی منڈی کو منتخب کیا۔ اس طرح فاضل سامان کی نکاسی کا بھی انتظام ہوگیا اور دوسری طرف توازنِ ادائیگی بھی اس کے حق میں ہوگیا۔ کیونکہ امریکہ ان ممالک سے جو تیل درآمد کرتا ہے، اس سے کہیں زیادہ مالیت کا اسلحہ انہیں سپلائی کردیتا ہے۔ اس طرح ان ممالک کی دولت کے دریاؤں کا رُخ اس نے اپنی طرف موڑ لیا ہے۔ اور اب امریکہ "موت کا سوداگر" بن گیا ہے۔

گو امریکی سامراج "جمہوریت" اور "امن" کے راگ الاپتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ مشرقِ وسطیٰ اور جنوبی ایشیا میں جمہوریت کے قیام کو پروان چڑھتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس نے اس علاقے میں ہر جگہ جمہوریت کا قتل کیا۔ بادشاہوں اور فوجی آمروں کی مدد کی، مصدق ایران میں جمہوریت قائم کرنا چاہتے تھے، انہیں ایرانی عوام کی حمایت بھی حاصل تھی، لیکن رسوائے زمانہ امریکی ادارے سی آئی اے نے ایران کے کمانڈر انچیف زاہدی کو خرید لیا۔ کروڑوں ڈالر فوج میں تقسیم کیے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج نے مصدق کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ ایران کی بات چھوڑیئے پاکستان کو ہی لیجیئے، امریکی سامراج نے ایک ارب ۵۰ کروڑ ڈالر کی فوجی امداد پاکستان کو دی اور پاکستان کی سول

امریکی اسلحہ

حریت پسندوں

کے خلاف

استعمال ہوگا!

اور فوجی نوکر شاہی سے گٹھ جوڑ کرکے جمہوریت کا قتل عام کیا، اور فوجی آمریت کو پاکستان پر مسلط کردیا۔ اب یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ سی آئی اے کے سربراہ سے ایوب خان کے بہت قریبی تعلقات تھے۔ اس فوجی آمریت کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ اس تباہی کے باوجود پاکستانی حکمرانوں نے سبق حاصل نہیں کیا، ابھی تک امریکہ کے حاشیہ بردار بنے ہوئے ہیں۔ اور اپنے فوجی مشیروں کو اردن، سعودی عرب، ابوظہبی اور خلیج کی دیگر ریاستوں میں بھیج کر عرب عوام کی دشمنی مول لے رہے ہیں۔

یہ امریکی اسلحہ کس کے خلاف استعمال ہوگا؟ عرب عوام کا سب سے بڑا دشمن، سامراج کی ناجائز اولاد اسرائیل ہے۔ لیکن یہ اسلحہ اسرائیل کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔ ایران کے اسرائیل سے سفارتی تعلقات ہیں۔ اسرائیل کے جو طیارے فلسطینی فدائین پر بمباری کرتے ہیں، ان کا پٹرول ایران ہی سپلائی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایران اپنے معاشی مفادات کے تحت اسرائیل کے خلاف صف آراء نہیں ہوگا۔ سعودی عرب بظاہر اسرائیل کی مخالفت کرتا ہے لیکن اس کا بھی تیل امریکہ کی وساطت سے اسرائیل جاتا ہے۔ سعودی عرب معاشی طور پر امریکہ کا محکوم ہے۔ اس لیے وہ بھی اسرائیل کے مدِمقابل نہیں آسکتا۔ ظاہر ہے کہ یہ اسلحہ حریت پسندوں کے خلاف استعمال ہوگا۔ اور شاہ ایران اس طرف بار بار اشارہ بھی کرچکے ہیں۔

بنگلہ دیش

بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے بارے میں حکمران پارٹی متضاد بیانات دے رہی ہے۔ ایک بیان دوسرے بیان کی نفی کردیتا ہے۔ صدر بھٹو نے ۴ جولائی کو سپریم کورٹ سے رائے طلب کی کہ قومی اسمبلی بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے سلسلے میں کوئی فیصلہ کرنے کی مجاز ہے یا نہیں۔ ۵ جولائی کو لاہور میں سپریم کورٹ نے اپنی کارروائی شروع کی۔ اسی دن لاہور کے ہوائی اڈہ پر اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے وفاقی وزیر قانون و پارلیمانی امور مسٹر حفیظ پیرزادہ نے کہا کہ "قومی اسمبلی سپریم کورٹ کی رائے کی پابند نہیں ہوگی" مسٹر پیرزادہ کے اس بیان سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ وہ قومی اسمبلی کو سپریم کورٹ کا پابند نہیں سمجھتے۔ حالانکہ وفاقی نظام حکومت میں سپریم کورٹ آئین کی محافظ ہوتی ہے اور آئین کی تشریح کرتی ہے۔ اگر قومی اسمبلی کوئی ایسا قانون بنائے یا قرارداد پیش کرے جو آئین کی روح کے منافی ہو تو سپریم کورٹ اسے کالعدم قرار دے سکتی ہے۔ صدر بھٹو نے سپریم کورٹ سے جو رائے طلب کی، ظاہر ہے کہ سپریم کورٹ جو رائے

باقی صفحہ ۳۱ پر

نکسن، بریزنیف
مشترکہ اعلامیہ کا تجزیہ

سیاسی مبصر

امریکہ اور روس کو
صرف یورپ کے امن اور سلامتی سے دلچسپی ہے

نیٹو اور وارسا کی افادیت ختم ہو گئی

صدر نکسن اور سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے سکریٹری برزنیف کے حالیہ مشترکہ اعلامیہ کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے۔ دراصل امریکہ اور روس ایک دوسرے کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ گذشتہ سال جب صدر نکسن ماسکو گئے تھے تو اس وقت بھی بڑے طمطراق سے امریکی اور روسی پریس نے ان کے دورے کا ذکر کیا تھا۔ ۲۶ مئی ۱۹۷۲ء کو ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے تھے جس کی رو سے دونوں طاقتوں نے بین البراعظمی میزائل اور دفاعی میزائل کے اڈوں پر پابندی کا اعلان کیا تھا۔ اور اسطرح SALT کے جو مذاکرات ۱۹۶۹ء سے جاری تھے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ ۱۹۷۲ء میں یہ بھی طے پایا کہ امریکہ اور روس اپنے سمندری اور ہوائی جنگی جہازوں کے درمیان تصادم کا انسداد بھی کریں گے تاکہ ان کے باعث جنگ نہ ہونے پائے۔ اس کے علاوہ دل کے امراض اور کینسر پر تحقیق کرے، اور خلائی تجربہ میں تعاون کرے اور تجارت کو فروغ دینے سے متعلق معاہدے کئے ہے۔

چنانچہ اس بار بھی انہیں خطوط پہ دونوں طاقتوں نے اپنے روز افزوں تعلقات کو مزید استوار کرنے کی کوشش کی۔ اس بار دونوں ملکوں نے ایٹمی جنگ کو روکنے کا معاہدہ کیا۔ ۱۹۷۱ء میں بھی روس اور امریکہ نے کیمیاوی جنگ کے خلاف ایک معاہدہ کیا تھا۔ دونوں سربراہوں کے مشترکہ بیان میں اس کا صاف اعلان کیا گیا ہے کہ دونوں طاقتیں یورپ کی سلامتی اور امن کو سب سے زیادہ اہمیت دیتی ہیں اور اسی کے تحت وہ آئندہ ماہ ہلسنکی میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں مؤثر کردار ادا کریں گی تاکہ ایک اعلیٰ سطحی معاہدہ کی جلد تکمیل ہو۔ اس کے علاوہ ۳۰ اکتوبر کو نیٹو اور وارسا پیکٹ میں شامل ممالک مرکزی یورپ میں تخفیف اسلحہ و افواج سے متعلق مذاکرات کرینگے۔

اب جب کہ جرمنی کا مسئلہ تقریباً حل ہو چکا ہے اور مغربی اور مشرقی جرمنی کی دونوں ریاستیں ایک دوسرے کو تسلیم کر چکنے کے بعد اقوام متحدہ کی رکن بھی بن گئی ہیں تو بظاہر نیٹو NATO اور وارسا فوجی معاہدوں کی یورپ میں افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح غالباً اب ممکن ہو سکے



تاکہ یورپ سے مطمئن ہو کر امریکہ اور روس دوسری جانب توجہ دیں۔ اب بظاہر یورپ میں امریکہ اور روس کے درمیان تصادم کی کوئی صورت نہیں۔ ان دونوں نے اپنے تئیں یورپ کو دو حلقائے اثر میں تقسیم کر لیا ہے گو فرانس صدر ڈیگال کے زمانے سے آزاد خارجہ پالیسی پر رہا ہے جو امریکہ کے لئے قدرے باعث تشویش ہے۔ امریکہ نے حال ہی میں نیٹو کی از سر نو تشکیل سے متعلق تجاویز پیش کر دی ہیں جس کا منشا غالباً فرانس کو رام کرنا ہے۔ مسٹر برزنیف کی امریکہ سے واپسی کے بعد صدر پامپیڈو سے گفت و شنید کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ یورپ کی سلامتی کے مسئلہ میں فرانس کا مکمل تعاون چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ فرانس امریکہ کے لئے عرصہ تک کباب میں ہڈی بنا رہا ہے۔ میثاقِ نیٹو میں مساوات کا دعویٰ کرنے اور ایٹمی ہتھیار بنانے اور ان کے تجربہ پر اصرار کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرانس اپنے قومی مفاد کو ان دو طاقتوں کے تابع نہیں کرنا چاہتا۔ اور نہ ہی وہ ان میں سے کسی کے حلقۂ اثر میں رہنا چاہتا ہے یورپ کے علاوہ مشرقِ وسطیٰ اور شرقِ بعید کے بارے میں بھی فرانس نے ایک آزاد موقف اختیار کیا جو عربوں اور ہند چینی عوام کی قومی امنگوں سے بہت قریب ہے ان دونوں مسائل پر فرانس نے امریکہ سے اختلاف رائے کیا اور اسرائیل جارحیت اور امریکی مداخلت کی شدید نکتہ چینی کی جس سے فرانس کا وقار ایشیا میں بڑھنے لگا۔

اعلامیہ کو پڑھ کر ایشیا کے عوام کو مایوسی ضرور ہوئی ہوگی کیونکہ اس میں ایشیا کے امن کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں تعطل جوں کا توں رہا اور امریکہ نے تکلفاً بھی نہ کہا کہ وہ مقبوضہ عرب علاقے خالی کرانے کے لئے اسرائیل پر دباؤ ڈالے گا بلکہ اسرائیل سے گہری وابستگی کا اعتراف کیا۔ گو کمبوڈیا کی صورتِ حال کو بہتر بنانے کے وعدے وعید کئے لیکن بی ۔ ۵۲ بمبار اب تک قوم پرستوں پر آگ برسا رہے ہیں۔ اپنی پرامن نیت کے ثبوت کے لئے کیا یہ کافی نہ تھا کہ امریکہ کمبوڈیا میں مداخلت بند کر دیتا۔ اور وہاں کے عوام پر فیصلہ چھوڑ دیتا۔ برعکس اس کے اب بھی امریکہ نون نول کے فوجی ٹولہ کی بھرپور حمایت کر رہا ہے جس سے کمبوڈیا میں حریت پسندی کی آگ بھڑک رہی ہے۔ تعجب ہے کہ روس جو ایشیائی ملک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے امریکہ کی مداخلت روکنے کے لئے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھاتا۔

اگر ایشیا میں خانہ جنگی اور بیرونی مداخلت جاری رہی تو کیا دنیا میں پائیدار امن قائم نہ ہو سکے گا؟ ۱۹۳۱ء میں جب جاپان نے منچوریا پر اور اطالیہ نے ۱۹۲۰ء میں حبشہ پر قبضہ کیا تھا تو یورپ کی اقوام اس لئے خاموش رہیں کہ اگر جنگ کی آگ ایشیا اور افریقہ کے بدنصیب براعظموں میں بھڑک رہی ہے تو اس سے یورپ کو کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے! لیکن یہ ان کی بھول تھی۔ بہت جلد آگ کے شعلوں نے یورپ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہمیں ماضی کی تاریخ سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے نہ کہ ہم اسے دہرائیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں طاقتوں کو ایشیا سے کتنا لگاؤ ہے۔

روس کو
ایشیا کے
عوام کی آزادی
سے زیادہ
اپنا تجارتی
مفاد عزیز ہے

جب مشرقِ وسطیٰ اور شرقِ بعید میں تعطل بدستور جاری ہے تو امریکہ اور روس اپنی تجارت کو فروغ دینے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اگلے دو تین سالوں میں دونوں ملکوں میں دو تین ارب ڈالر کی تجارت ہوگی۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ روس کو سرمایہ دار ملکوں کی طرح اپنا تجارتی مفاد ایشیا کے عوام کی آزادی سے زیادہ عزیز ہے؟ ۔ دراصل اس کی ابتدا تو اسی دن ہوئی تھی جب خروشیف نے عظیم عوامی جمہوریہ چین کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف ہو کر مغربی استعمار سے اصولوں پر سمجھوتہ کی پیشکش کی تھی ۵۶ء میں بیسویں کانگریس کے موقعہ پر روسی رہنما نے مارکسی لینینی اصولوں میں تحریف کی تھی۔ اس موقعہ پر انقلاب کو ترک کرنے کا اعلان کیا گیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی اعتراف کیا گیا کہ سوشلزم کی منزل تک پہنچنے کے لئے دوسرے راستے بھی ہیں۔ مغربی استعمار سے مداخلت اور جارحیت ختم کرنے کا مطالبہ کئے بغیر اس کی طرف لقائے باہمی کے نام پر دوستی کا ہاتھ بڑھا گیا۔ اس سے استعمار کی ہمت افزائی ہوئی۔

۱۹۶۲ء میں کیوبا کے عوام کو منجدھار میں چھوڑ کر روس علیحدہ ہو گیا اس سے اسکے انقلابی دنیا کی قیادت کے بلند و بانگ دعوؤں کی قلعی کھل گئی۔ اور لاطینی امریکہ میں سوشلسٹ تحریک کو بڑا دھچکا پہنچا۔ ابھی کیوبا کی یاد تازہ ہی تھی کہ روس اور امریکہ نے ۱۹۶۳ء میں ایٹمی ہتھیاروں کے تجربہ پر جزوی پابندی لگانے کے بارے میں ایک معاہدہ کیا۔ ان معاہدوں کے ذریعہ روس اور امریکہ اپنے مابین توازنِ طاقت قائم کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو زیر نہیں کر سکتا تھا۔ روس نے ۱۹۵۰ء کے دوستی معاہدے کے باوجود چین کو ایٹمی امداد نہ دی اور نہ ہی اس کا راز بتایا درحقیقت وہ ہرگز نہیں برداشت کر سکتا تھا کہ چین ایک بڑی طاقت بنے بلکہ اس کی منشا تھی کہ چین ہمیشہ اس کا دست نگر رہے۔ اسی پالیسی کے تحت روس نے ہندوستان کو کثیر فوجی اور اقتصادی امداد دی تاکہ وہ چین کے مقابلہ میں روس کا ساتھ دے۔ ۱۹۶۲ء کی ہندوستان چین جنگ میں بھی روس نے ہندوستان کی امداد جاری رکھی۔ لیکن جب روس کی مخالفت کے باوجود بھی چین نے ایٹمی ہتھیار بنا لئے تو فوراً روس اور امریکہ نے مل کر چین کی طاقت کو روکنے کے لئے ۱۹۶۸ء میں معاہدہ کیا کہ اب ایٹمی ہتھیار کو مزید پھیلنے سے روکا جائے۔ دراصل اس معاہدہ کا مقصد چین اور فرانس کی نئی ایٹمی

باقی صفحہ ۲۵ پر

NATIONAL REFINERY LIMITED
INDUSTRIAL ZONE, KORANGI, G.P.O BOX NO. ... KARACHI ... PHONE ...
P. O. BOX NO. 3964, KARACHI-6.
(Managing Agents : Mohamed Amin Bros. Ltd.)

الفتح رپورٹ

لاکھوں روپے کا ٹھیکہ رشتہ داروں کو دیدیا جاتا ہے

نوکرشاہی نیشنل ریفائنری جیسے اہم قومی ادارے کے وسائل کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی ہے۔ چند افسران کُلی اختیارات کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ ہر ماہ انہیں تنخواہ کی صورت میں موٹی رقم ملتی ہے، غیر معمولی مراعات الگ سے حاصل ہیں۔ اسی پر اکتفا نہیں کرتے، ادارے کے وسائل کو اپنی جاگیر کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ ادارے کے ہر افسر کی رشتہ داری یا دوستی کی زنجیر کسی وزیر سے ملتی ہے اور وہ اس زنجیر کو مسلسل گردش میں رکھ کر کار، کوٹھی، بنگلہ اور بنک بیلنس بڑھا رہے ہیں۔ مختلف طریقوں سے لاکھوں روپے ماہانہ ضائع کئے جا رہے ہیں۔ مخلص اور محب وطن عناصر ان بدعنوانیوں کا بھانڈہ پھوڑتے ہیں تو انہیں جھوٹے اور من گھڑت الزامات کے تحت برطرف کر دیا جاتا ہے۔ اعلیٰ حکام، وزیر محنت اور لیبر ڈیپارٹمنٹ ان تمام غیر انسانی کارروائیوں کو من پسند کھیل کی طرح خاموشی سے دیکھتے رہتے ہیں۔ ایک قومی ادارے کی تباہی کے اس کھیل میں شعوری یا لاشعوری طور پر یہ تمام لوگ شریک ہیں۔

ریفائنری کی تاریخ

نیشنل ریفائنری ایک نجی ادارہ تھا اور ۱۹۶۵ء میں قائم کیا گیا۔ ملازمین کی تعداد بھی کم تھی۔ وسائل کے مطابق صرف چھ منیجر تھے۔ افسران کی فوج نہ تھی۔ لوٹ کھسوٹ کا یہ عالم نہ تھا جو آج ہے۔ یہ خاصی اہمیت کا ادارہ ہے۔ اس میں تارکول، مٹی کا تیل، لائٹ اور ہیوی ڈیزل اور موبل آئل تیار ہوتا ہے۔ اسی دوران موجودہ حکومت نے بعض کلیدی اداروں کو سرکاری تحویل میں لے لیا۔ ان میں نیشنل ریفائنری بھی شامل تھی۔ سرکاری تحویل میں لینے کا نعرہ برائے نام تھا۔ دراصل نیشنل ریفائنری اور دوسرے اداروں کو پرائیویٹ مالکان سے لے کر نوکرشاہی کی گود میں ڈال دیا گیا۔ درحقیقت قومیانے کا یہ نام نہاد عمل نوکرشاہی کے اونچے طبقے کو خوش کر کے موجودہ حکومت کے ساتھ ملانا تھا۔ ۱۹۶۸ء میں نیشنل ریفائنری میں صرف چھ منیجر تھے لیکن سرکاری تحویل میں آنے کے بعد ان کی تعداد ۱۹ تک پہنچ گئی۔ جب کہ ملازمین کی کل تعداد صرف ۲۳۵ ہے۔ ذرا ان کی تفصیلات پر ایک نظر ڈالیں۔

اکاونٹ ڈیپارٹمنٹ

(۱)	مسٹر زیڈ اے زبیری	فنانس ایڈوائزر
(۲)	مسٹر حفیظ احمد	خازن برائے ٹیکس
(۳)	مسٹر سید محمد	اکاؤنٹس منیجر
(۴)	مسٹر ایم اے قریشی	سینئر اکاؤنٹنٹ
(۵)	مسٹر ایم ڈی قادری	اکاؤنٹنٹ مینجمنٹ
(۶)	مسٹر ایم اے عالم	اکاؤنٹنٹ فنانس

منیجروں کی تعداد

(۷)	ڈاکٹر اے فاروقی	منیجر کمرشل اینڈ ڈولپمنٹ
(۸)	مسٹر ایس ایم نواز	منیجر پرچیز
(۹)	مسٹر اے ایم شیخ	مارکیٹنگ منیجر
(۱۰)	مسٹر ایم اے چوہدری	منیجر (ان کے ذمہ کوئی کام نہیں)

بیرنگ کی چوری کے الزام میں پکڑا گیا

(۱۱)	مسٹر سی ٹی ڈینگل	اسسٹنٹ جنرل منیجر
(۱۲)	کرنل ایم ایس خواجہ	پرسنل منیجر
(۱۳)	مسٹر ایم اے میاں	منیجر اپریشن
(۱۴)	ڈاکٹر ایس اے حس[illegible]	منیجر مینٹیننس
(۱۵)	مسٹر ایم ایم حسی[illegible]	[illegible]
(۱۶)	اے اے کریم[illegible]	[illegible]

متفرقات

(۱۷)	مسٹر ایم اے سراج	پرچیز افسر
(۱۸)	مسٹر حفیظ بشیر احمد	پرچیز افسر
(۱۹)	مسٹر ایم اے پراچہ	اسسٹنٹ سیکرٹری ایڈمنسٹریشن

اس ادارہ میں مینجروں کو جو سہولتیں اور مراعات حاصل ہیں ان کا آپ تصور تک نہیں کر سکتے۔

(۱) گاڑی کی دیکھ بھال کے لئے ۴۰۰ روپے ماہانہ

(۲) ۱۵،۰۰۰ روپیہ برائے فرنشنگ الاؤنس۔

(۳) آراستہ بنگلہ، دو کارپٹ، ایک کمرہ ائرکنڈیشنڈ بنگلہ کا کرایہ ۱۰۰۰ روپیہ سے لے کر ۱۲۰۰ روپیہ۔

(۴) الیکٹریکل ٹیلیفون، گیس کنزرونسی بریک ڈاون اور تمام ریفائنری۔

(۵) ایک لاکھ انشورنس۔

(۶) ۳۶ ہزار روپے سے لے کر ۴۸ روپے تک تنخواہ کے علاوہ دیگر مراعات۔

نیشنل ریفائنری میں صرف ۲۳۵ ملازم کام کرتے ہیں، اس قلیل تعداد کے لئے اکاونٹس ڈیپارٹمنٹ میں بڑی بڑی تنخواہوں پر چھ مینجر رکھے گئے ہیں۔ اگر ادارے کے تمام اکاؤنٹس مینجروں اور افسروں کی تقرریوں کی چھان بین کی جائے تو پتہ چلے گا کہ ان میں سے بیشتر حضرات کسی نہ کسی تکنیک کے ذریعے اس ادارے میں فٹ ہوئے ہیں۔ انہیں اس ادارہ میں جو سہولتیں حاصل ہیں، ان کا کسی دوسرے ادارے میں تصور تک نہیں کیا جا سکتا، اس کے باوجود بعض افسر غیر قانونی ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ ریفائنری کے قریبی ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ ایک مینجر ہیرنگ کی چوری میں پکڑا گیا تھا اور اس پر الزام بھی ثابت ہو گیا تھا۔

نیشنل ریفائنری ایمپلائز یونین کے صدر نے متعدد بار افسران کی غیر ضروری بھرتی اور ان کی رعونت پر احتجاج کیا حکام سے مطالبہ کیا کہ ادارے کے مفاد میں افسران کی تعداد کم کی جائے۔ لیکن ان کے مطالبے کا ہمیشہ الٹا اثر ہوا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ادارہ کے مفاد کے پیش نظر اس معاملے پر سنجیدگی سے غور کیا جاتا، لیکن اس کے بجائے افسروں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا اور چھوٹے ملازمین کی تعداد میں کمی کی گئی۔ یہی نہیں، یونین کے اس قسم کے مطالبات سے افسروں کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہو گئیں اور وہ یونین اور اس کے عہدیداروں کے بدترین دشمن بن گئے۔

نیشنل ریفائنری کے ٹھیکیدار

ادارہ کے ایک آدھ شعبے کو چھوڑ کر باقی تمام شعبوں کے کام ٹھیکیداروں سے کرائے جاتے ہیں۔ سالانہ لاکھوں روپیہ کا ٹھیکہ ایسے لوگوں کو دیا جاتا ہے جن کے نام ٹھیکیداروں کی منظور شدہ فہرست میں شامل نہیں ہیں۔ ادارہ میں ٹھیکہ دینے کے لئے ایک علیحدہ سے شعبہ INSPECTION AND CONTACT DEPTT. قائم کیا گیا ہے۔ اس شعبے نے اقربا پروری اور بدعنوانی کا ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔ عام طور پر اس شعبے میں کام کرنے والے اپنے عزیز و اقارب دوستوں اور واقف کاروں کو ٹھیکہ دیتے ہیں۔ اصولی طور پر کسی کو ٹھیکہ دینے سے قبل اخبارات میں ٹینڈر شائع کرائے جاتے ہیں، اور سب سے کم ریٹ دینے والے ٹھیکیدار کا ٹینڈر منظور کیا جاتا ہے۔ لیکن نیشنل ریفائنری میں اس مسلمہ اصول پر کبھی عمل نہیں

اپنا منہ بند رکھو، اوپر والے ہمارے ساتھ ہیں

کیا گیا۔ شعبۂ ٹھیکیداری کے بااثر افراد بڑی خاموشی اور رازداری سے اپنے کسی رشتہ دار یا دوست کو لاکھوں روپے کا ٹھیکہ دے دیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اپنی جیب بھی گرم کرتے ہیں ہماری اطلاعات کے مطابق نیشنل ریفائنری میں آج تک ٹینڈر کے ذریعہ کسی کو ٹھیکہ نہیں دیا گیا۔ اس بات کی چھان بین ہونی چاہیئے کہ اس کے پیچھے کون لوگ ہیں اور اب تک انہوں نے اس ناجائز طریقہ سے کتنی آمدنی حاصل کی ہے۔ ہمیں یہ بھی پتا چلا ہے کہ ادارہ کے بعض بڑے افسر اس غیر قانونی کام میں براہِ راست ملوث ہیں۔ اور انہوں نے ناجائز طور پر لاکھوں روپے بنائے ہیں۔ اس سلسلے میں جب چند ایماندار اور فرض شناس ملازمین نے احتجاج کیا تو بدعنوان افسران نے دھمکی دی کہ وہ اپنا منہ بند رکھیں، ورنہ نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ "شور شرابے سے کچھ نہیں بنے گا۔ اوپر والے ہمارے ساتھ ہیں۔"

معلوم ہوا ہے کہ تارکول کو بڑے بڑے ڈرموں میں بھرنے کا کام پچھلے سات سال سے ٹھیکہ پر چل رہا ہے۔ ٹھیکیدار زبردست دھاندلی کر رہا ہے۔ اس شعبے میں کام کرنے والے تقریباً ۳۸ ملازمین پچھلے سات آٹھ سال سے عارضی بنیادوں پر کام کر رہے ہیں۔ ایک مزدور کو بارہ ساڑھے بارہ روپے اُجرت دی جاتی ہے جبکہ کھاتے میں اٹھارہ روپے درج کئے جاتے ہیں۔ اس طرح ٹھیکیدار ہر مزدور کی اُجرت میں سے چھ روپے ہضم کر جاتا ہے۔ چونکہ یہ مزدور عارضی ہیں، اس لئے انہیں ادارہ کی جانب سے کسی قسم کی سہولت فراہم نہیں کی جاتی۔ اگر کوئی مزدور اس ناانصافی پر احتجاج کرتا ہے تو اُسے کان پکڑ کر نکال دیا جاتا ہے۔ نیشنل ریفائنری ایمپلائز یونین نے سیکڑوں بار احتجاج کیا اور ان کی ملازمتوں کو مستقل کرنے کا مطالبہ کیا، لیکن ٹھیکیداروں کی ملی بھگت سے کام کرنے والی نوکر شاہی نے اس جائز اپیل کو نظر انداز کر دیا۔ ان مظلوم مزدوروں کی ملازمتیں اس لئے مستقل نہیں کی جاتیں کہ ٹھیکیداروں اور افسران کی ناجائز آمدنی کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اور وہ ان کی محنت کا استحصال نہ کر سکیں گے۔

R-1-1

Mr. Babar Ali Azad
NRL No. 103
Operations Department.

"ENCLOSURE"
Cables : [redacted]

June 12, 1972.

Dear Sir,

The management and I personally convey to you our most heartfelt gratitude for the effort exhibited by you in extinguishing the fire at the API Separator on June 6, 1972.

Your dedicated effort and disregard for your personal safety, as you demonstrated, is most encouraging. Using this as an indicator, we feel more secure that in our NRL employees rests enough courage and knowledge to handle such emergency situations as may happen in the future.

Yours faithfully
for NATIONAL REFINERY LIMITED

A. Wahhab

(A. WAHHAB)
GENERAL MANAGER.

AW:bs

یونین کے صدر بابر علی آزاد کے بارے میں انتظامیہ کے تعریفی خط کا عکس

انجینئر نے ملازم کو تھپڑ مار دیا

نیشنل ریفائنری کی نوکر شاہی فرعون صفت بن گئی ہے۔ چھوٹے ملازمین سے ہتک آمیز رویّہ اختیار کیا جاتا ہے۔ بات بات پر ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی ہے۔ برطرفی کی دھمکی دی جاتی ہے۔ ۹ر فروری ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے ایک انجینئر رشید جنگ نے بہت معمولی بات پر ادارے کے ایک ملازم ایم وائی درانی کو گالیاں دیں۔ ملازم نے اس پر احتجاج کیا۔ جس پر انجینئر آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے ایم۔ وائی دُرانی کو تھپڑ مار دیا۔ یہ نیشنل ریفائنری کی تاریخ کا ایک اندوہناک واقعہ تھا، کہ ایک انجینئر نے اپنے عہدے اور مرتبے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک چھوٹے ملازم کے وقار کو اپنے پاؤں تلے روند دیا۔ اور یہ کہتا ہوا اس جگہ سے چل دیا کہ "جاؤ جو جی میں آئے کرو، تم میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔"

اس واقعہ کی خبر جب نیشنل ریفائنری ایمپلائز یونین تک پہنچی تو صدر بابر علی آزاد نے سخت احتجاج کرتے ہوئے انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ اس کی تحقیقات کرائی جائے۔ نیز انجینئر کو فوری طور پر برطرف یا معطل کیا جائے۔ لیکن صد افسوس کہ اعلیٰ افسران کے اشارے پر اس معاملے کو دبا دیا گیا۔ یہی نہیں ملازمین کے اُٹھے ہوئے سروں کو جھکانے کے لئے یونین کے صدر بابر علی آزاد اور سابق نائب صدر محمد اکرم قریشی کو معطل کر دیا گیا۔ ان پر جھوٹا الزام لگایا کہ وہ نیشنل ریفائنری کو تباہ کرنے کی سازش کر رہے تھے۔ یونین کے صدر نے انتظامیہ کی اس کھلی دھاندلی کا معاملہ لیبر ڈیپارٹمنٹ میں پہنچا دیا۔ لیکن اس سے قبل کہ لیبر ڈیپارٹمنٹ کوئی کارروائی کرتا، ۲۵ر جون ۱۹۷۳ء کو دونوں کو برطرف کر دیا گیا۔ برطرفی کی وجہ یہ بتائی گئی کہ دونوں نیشنل ریفائنری کو تباہ کرنے کی سازش کر رہے تھے۔

انتظامیہ نے یونین کے صدر بابر علی آزاد اور سابق نائب صدر محمد اکرم قریشی پر خود ساختہ الزام عائد کیا تھا۔ اس میں مطلق سچائی نہیں ہے۔ اگر اس واقعہ کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائے تو انتظامیہ کے جھوٹ کا پلندہ کھل جائے گا۔

کوئی ملازم یا مزدور بھی کارخانہ یا فیکٹری کی تباہی نہیں چاہے گا، جس کی تعمیر اور ترقی میں اس کا خون شامل ہے۔ اسکی لڑائی ان لوگوں سے ہے جو اس کی محنت کا استحصال کر کے اپنے لئے عیش و آرام کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ انکی جنگ طبقاتی معاشرہ سے ہے، ظلم سے ہے، ناانصافی سے ہے۔ مشینوں اور

باقی صفحہ ۱۴ پر

(۱) ہیڈمسٹریس مذکورہ نے تقریباً ستائیس ٹیوب
[illegible] سروس حاجی پورہ سیالکوٹ [illegible] تعاون سے [illegible] ٹیوب لائٹیس جو ان تعلیمی ادارہ میں لگی ہوئی تھیں
ٹیوب لائٹوں کی [illegible] ہیں۔ جعلی بل [illegible]
(۲) حال ہی میں [illegible] میں ضروری تحقیقات [illegible] اساتذہ [illegible]
میں سمجھتا ہوں کہ سرکاری [illegible] کا درخت [illegible] فروخت کر دیا ہے [illegible]
[illegible] قومی خزانہ میں جمع [illegible] اختیارات حاصل [illegible]
(۳) [illegible] فروخت کو دیا ہے [illegible]
[illegible] زیادہ مزدوروں [illegible] حاصل ہو [illegible]
ڈائریکٹر اینٹی کورپشن کے نام
انجمن مسیح مزدور کے صدر کی شکایت
President
[illegible]AN MASIHI MAZDOOR (REGD)
SIALKOT

بدعنوانیاں

کرسچین گرلز اسکول

سیالکوٹ میں کیا

ہو رہا ہے؟

الفتح رپورٹ

چار افراد نے عوامی مطالبے کو ویٹو کر دیا

کرسچین گرلز ہائی اسکول، حاجی پورہ سیالکوٹ

میں ہونے والی بدعنوانیوں کے متعلق الفتح (۲۶ اپریل ۱۹۷۳ء کے شمارے) میں ایک تفصیلی رپورٹ شائع کر چکی ہے ——— اس رپورٹ کی اشاعت پر نہ تو نظامت تعلیم پنجاب ٹس سے مس ہوئی اور نہ ہی متعلقہ ہیڈ مسٹرس نے کوئی اثر قبول کیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ نظامت تعلیم حرکت میں آتی اور متذکرہ بدعنوانیوں کی بنا پر مسز جوزف کے خلاف مناسب کارروائی کرتی۔ مگر ہوا یہ ہے کہ اس رپورٹ کی اشاعت کے بعد مسز جوزف نے انتقامی کارروائیوں کی رفتار تیز کر دی ہے۔ ہیڈ مسٹرس کو ڈویژنل انسپکٹریس کا پورا پورا تعاون حاصل ہے۔ ڈویژنل انسپکٹریس نے اسکول میں آ کر ضروری تحقیقات کرنے کی بجائے حق پرست اساتذہ کو دبانے کی کوشش کی اور انہیں زبان بند رکھنے کی ہدایت کی جہاں تک عوام کا تعلق ہے انہیں کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور نہ ہی ڈویژنل انسپکٹریس نے شہریوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوئی ضرورت محسوس کی۔

جیسا کہ پہلی رپورٹ میں بتایا جا چکا ہے کہ مسز جوزف کے تبادلے کا مسئلہ فروری ۱۹۷۳ء میں ڈاکٹر عبدالخالق وزیر تعلیم پنجاب [illegible] کے دورہ سیالکوٹ کے عوام نے جناب محمد اکبر منہاس ایم۔ پی۔ اے سیالکوٹ کی سرکردگی میں پیش کیا تھا اور وزیر تعلیم سے پُرزور مطالبہ کیا تھا کہ مسز جوزف کا فوری طور پر تبادلہ کیا جائے۔ وزیر تعلیم نے اس مطالبے کو اصولی طور پر مان لیا تھا۔ ۱۹ فروری ۱۹۷۳ء کو مسز جوزف کے تبادلے کے احکامات جاری کر دیئے۔ مگر مسز جوزف نے ایک بار پھر نوکر شاہی سے ملی بھگت کر کے ان احکامات پر عمل درآمد کرنے سے گریز کیا۔ اس دوران مسز جوزف نے ایک طرف تو مذکورہ تعلیمی ادارے میں بدعنوانیوں اور دھاندلیوں کی انتہا کر دی اور دوسری طرف مشنری اجارہ داروں کا ایک وفد وزیر تعلیم کے پاس بھیجا جس نے وزیر تعلیم کو تصویر کا صرف ایک رخ کچھ اس انداز سے پیش کیا کہ وزیر تعلیم نے اس تبادلے کے احکامات منسوخ کرنے کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔ چنانچہ دو ہی روز کے بعد منسوخی کے آرڈر متعلقہ تعلیمی اداروں میں موصول ہو گئے اس مرحلے پر یہ سکر قابل غور ہے کہ جس مطالبے کو پورا کرانے کے لئے سیالکوٹ کے شہریوں اور پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے لاہور کے کئی چکر لگائے اُسے منسوخ کرانے کے لئے مشنری اجارہ داروں کے صرف چار سرغنے ایک کار میں بیٹھ کر تشریف لائے اور عوام کی مہینوں کی کاوش پر پانی پھیر کر چلے گئے۔ اب سیالکوٹ کے غریب عوام اور پاکستان پیپلز پارٹی کے ایم۔ پی۔ اے۔ ایم این۔ اے اور کارکن بغلیں جھانکتے پھرتے ہیں۔ الفتح، میں کرسچین گرلز ہائی اسکول کے متعلق تفصیلی

صوبائی

وزیر تعلیم نے

دباؤ میں آکر

اپنے احکامات

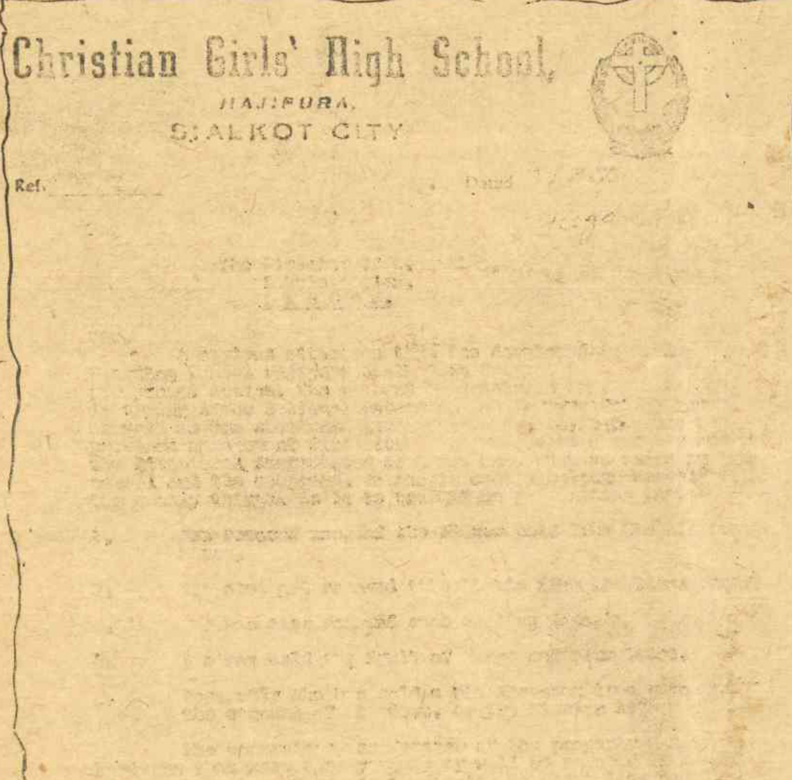
منسوخ کر دیئے

رپورٹ کی اشاعت کے بعد مسز جوزف نے جو انتقاماً کارروائیاں کی ہیں اور مذموم کارنامے سرانجام دیئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے ہیڈ مسٹریس نے حق پرست اساتذہ کو جائز و ناجائز پابندیوں میں جکڑنا شروع کر دیا۔ اپنی جھولی چک استانیوں کو کھلی چھٹی دے دی کہ وہ من مانیاں کرتی پھریں مگر حق بات کہنے والی استانیوں

نوکرشاہی

مسز جوزف کی حمایت میں

میدان میں اتر آئی



ڈائریکٹر تعلیمات پنجاب کے نام اسکول کے پراپرٹی مینجر کی تحریری شکایت

اسکول کی قیمتی اشیا غائب کر دی گیئں

جو اس تعلیمی ادارے میں پروان چڑھنے والے رجحانات کی نشاندہی کرتی ہیں۔

اسکول کی دو طالبات جو ہائی کلاسز میں زیر تعلیم اور ہوسٹل میں رہائش پذیر تھیں۔ بوجہ علالت اپنے گھر جانا چاہتی تھیں ہیڈ مسٹرس کے پاس جاکر انہوں نے اجازت طلب کی پھر اسکول کی میٹرن مس غلام مسیح کے پاس جاکر انہوں نے بتایا کہ ہیڈ مسٹرس نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی ہے۔ میٹرن نے ان سے ایک درخواست لکھوائی اور وہ دونوں اپنے گھر چلی گئیں۔ ہیڈ مسٹرس نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر پراپرٹی سپروائزر اور مس غلام مسیح کے خلاف اغوا کی رپورٹ پولیس میں درج کروا دی۔ اس طرح ہیڈ مسٹرس نے انتقامی جذبے کے تحت اسکول کے ملازمین کو ناحق مشکلات میں پھنسا دیا اور دوسری طرف لڑکیوں کے وال

(۲) اسکول کی دو تخ

کے کمروں سے پنکھے اتار لئے۔ پانی بند کر دیا اور ان پر پابندی لگا دی کہ وہ سات بجے کے بعد کہیں نہیں جا سکتیں۔ ایک دن ایک استانی کو ہیضہ ہو گیا۔ وہ دو استانیوں کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی۔ واپسی پر وہ استانی گیٹ پر ایک گھنٹہ تک تڑپتی رہی مگر گیٹ نہ کھولا گیا۔

ہیڈ مسٹرس نے نوکر شاہی کی بنیادی مدد سے اسکول پراپرٹی میں خرد برد کیا ہے۔ نظامت تعلیم لاہور کے نوٹس میں یہ تمام سرگرمیاں لائی گیئں لیکن کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہیڈ مسٹرس نے یہ تمام پراپرٹی نوکر شاہی کے تعاون سے خرد برد کی ہے۔ اس سلسلے میں ایک تحریری اطلاع مسیحی مزدور انجمن کے صدر مسٹر ارمے حمید نے احکام بالا کو لکھی اور ایک مراسلہ پراپرٹی مینجر نے احکام بالا کو تحریر کیا۔ ہیڈ مسٹرس نے اسکول کی جو قیمتی اشیا خرد برد کی ہیں ان کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

(۱) پھولوں کے بہت سے گملے غائب کر دیئے گئے۔

(۲) کچھ پنکھے چھتوں سے اتار دیئے گئے۔

(۳) باغ کے تمام پھل جو ہوسٹل کی لڑکیوں کے استعمال میں آنا چاہیئے تھے۔ ہیڈ مسٹرس نے فروخت کر دیئے۔

(۴) کلاس روموں سے تقریباً ستائیس ٹیوب لائیٹیں اتار کر بیچ دی گیئں۔

(۵) ایک بڑا شیشم کا درخت فروخت کر دیا گیا۔

(۶) اس کے علاوہ جس کوٹھی پر ہیڈ مسٹرس نے زبردستی قبضہ جما رکھا ہے۔ اس میں سے بہت سی قیمتی اشیاء کو خرد برد کر دیا گیا ہے۔

اب ان مذموم ۔ گرمیوں اور سازشوں کا ذکر ہو جائے

مچک استانیوں نے اپنے کمرے کے آگے خود ہی کچھ کاغذ اور کاپیاں جلاکر حق پرست اساتذہ پر یہ الزام عائد کر دیا کہ انہوں نے ان کے کمرے کو آگ لگانے کی کوشش کی تھی۔

(۳) دو حق پرست اساتذہ کی رشتہ دار بچیاں جو اسی اسکول میں زیرِ تعلیم ہیں۔ تربوز کھا رہی تھیں ہیڈ مسٹرس کی آلۂ کار دو ہائی کلاسز کی طالبات ان کے پاس آئیں۔ انہوں نے ان بچیوں سے تربوز چھین کر کھالیا۔ اور پھر خود ہی شور مچا دیا کہ انہیں زہر دے دیا گیا۔ ہیڈ مسٹرس سوچی سمجھی سکیم کے تحت ان دو بچیوں کو فوراً

طالبات اور بچیوں کو فوراً تانگے پر سوار کرا کے ہسپتال لے گئی وہاں جاکر ڈاکٹر سے اس نوعیت کی رپورٹ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

حق پرست اُستانیاں مس مبینی اور مس عالم جن کی رشتہ دار بچیاں تربوز کھا رہی تھیں یہ دونوں ہسپتال پہنچ گئیں اور جاکر اپنی بچیوں کو واپس لے آئیں۔ مگر جب یہ واپس پہنچی تو اسکول کا گیٹ بند کر دیا گیا۔ اور یہ تین استانیاں دو بچیوں کے ساتھ ساری رات کھلے آسمان کے نیچے گیٹ کے پاس باہر پڑی رہیں مگر ہیڈ مسٹرس نے انہیں اندر داخل نہ ہونے دیا۔ دوسری طرف جو جھولی چک استانیاں ہیڈ مسٹرس کے ساتھ ہسپتال گئی تھیں انہیں اندر جانے کی اجازت دیدی گئی۔

اس تعلیمی ادارے کی فضا نہایت مکدر ہو چکی ہے۔ تعلیم کا سلسلہ رُک گیا ہے۔ اگر حکومت کے کرتا دھرتا عوام کے مطالبات پر ٹال مٹول کی پالیسی پر گامزن نہ ہوتے اور شروع ہی میں ہیڈ مسٹرس کا فوری طور پر تبادلہ کر دیا جاتا۔ تو حالات اس قدر خراب نہ ہوتے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہاں کی انتظامیہ نے اس تعلیمی ادارے کے حالات درست کرنے کے لئے اسسٹنٹ کمشنر سیالکوٹ کی سرکردگی میں ایک کمیٹی تشکیل دی تھی اس کمیٹی نے حسب توفیق حالات درست کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ مگر نہ جانے نظامت تعلیم لاہور کیوں ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ اور کن مصلحتوں کے پیشِ نظر مسز جوزف کو من مانیاں کرنے اور تعلیمی ماحول کو تہہ و بالا کرنے کی چھٹی دے رکھی ہے۔

بقیہ پودہ چاک

فیکٹریوں سے بہتیں ہے۔ اس کے علاوہ جن دو افراد پر نیشنل ریفائنری کو تباہ کرنے کا الزام لگایا ہے، انہیں ریفائنری کے ایک شعبے کو آتشزدگی سے بچانے پر تحریری طور پر مبارکباد دی گئی ہے۔ اور ان کی خدمات اور جرآت مندی کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا کہ" ۶ جون ۱۹۷۲ء کو اے۔ پی۔ آئی۔ سپر ہیٹر کی آگ بجھانے میں آپ نے جس جرآت مندی اور ہمت کا مظاہرہ کیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔"

آپ نے دیکھا جس شخص نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر نیشنل ریفائنری کے ایک شعبہ کو آتشزدگی سے بچالیا۔ اس پر ادارہ کو تباہ کرنے کی سازش کا الزام لگایا گیا۔ اور اس بے بنیاد الزام کے تحت اسے برطرف بھی کر دیا۔

خدا جانے ایماندار، فرض شناس اور محب وطن عناصر کب تک آزمائشوں سے گزرتے رہیں گے اور ضمیر فروش نوکر شاہی کی بدعنوانیاں کب ختم ہوں گی۔؟

غزل

احمد راہی

مسیح وقت کہا ، اپنا رھنما سمجھا
یہ سانحہ تھا کہ ہم نے تمھیں خدا سمجھا

ہماری سادگیٔ دل کی داد دو ، ہم نے
تمہارے جور و جفا کو بھی اِک ادا سمجھا

ہمارے طرزِ تکلم پہ تہمتیں آئیں
مگر تمہاری قسم تم کو دلربا سمجھا

تمہیں پسند ، ہمیں ناپسند یہ دنیا
اس اختلاف کے پہلو کو کیوں بُرا سمجھا

تمہارے عہد میں تم سے ہی منصفی چاہی
تمہاری بات کو تقدیر کا لکھا سمجھا

وہی لکھا کہ جو دیکھا ہے ہم نے آنکھوں سے
وہی کہا کہ جو ہم نے ہے برملا سمجھا

غلیظ کپڑوں کی پوٹلی تو
پڑی ہوئی ہے وہیں پہ لیکن
وہ شخص ـــــ مدقوق چہرے والا ـــــ
نمازیوں کے لئے جو مردہ وجود سے بڑھ کے کچھ نہیں تھا
جو کچھ دنوں سے
زمیں کی گہری تہوں میں کھوئی ہوئی کوئی چیز ڈھونڈتا تھا
نہ جانے وہ آج کس سفر پر نکل گیا ہے ۔؟

○

ہماری معروف زندگی کی سڑک سے ہٹ کر
اداس مسجد کی ٹوٹتی پھوٹتی ہوئی سیڑھیوں پہ
سورج کا منتظر تھا
وہ شخص شاید نہ جانتا تھا
کہ اس کے پاؤں
جو لمحہ لمحہ
زمیں کی دلدل میں دھنس رہے ہیں
انہیں چھڑانے کوئی نہ آئے گا
کون مفلس ، فقیر لوگوں کی گندگی پر نگاہ ڈالے ۔
کہ پارسا لوگ باوضو ہیں

نسیم سحر

مرتی ہوئی پارسائی کا نوحہ

امریکی خارجہ پالیسی ک
" آزاد دُنیا " مَیں ک

بلال ہاشمی
ترجمہ، عبدالمبین خان

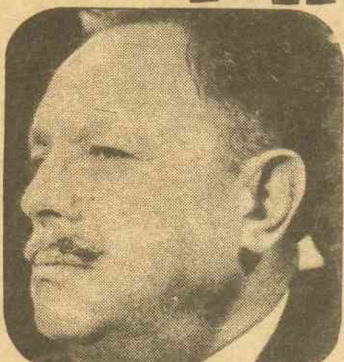
امریکہ کے اہم سرکاری عہدُل

ہماری نظریۂ پاکستا



۱۷ر جولائی کو صدر بھٹو امریکہ کے دورے پر جارہے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ صدر بھٹو پاکستان کی آزاد اور غیر جانبدار خارجہ پالیسی کے دعویٰ پر کاربند رہتے ہیں یا کوئی دوطرفہ فوجی معاہدے کا تحفہ لے کر آتے ہیں۔ کیونکہ صدر بھٹو نے برسرِ اقتدار آنے کے فوراً بعد امریکہ کو فوجی معاہدے کی پیشکش کی تھی۔ ذیل میں پاک امریکی معاہدوں کی تاریخ اور اُسکا تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔ تاکہ قارئین پس منظر سے آگاہ ہوجائیں — (ادارہ)

دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے جنوب مغربی ایشیا کے لئے عموماً اور پاکستان کیلئے خصوصاً امریکی خارجہ پالیسی کی بنیاد دو نکات پر مبنی ہے۔ پہلا یہ نظریاتی اصول کہ کمیونزم کے اثر و نفوذ کو روکا جائے، دوسرا یہ کہ اپنے معاشی مفادات کا تحفظ کیا جائے۔ ۱۹۴۷ء میں برصغیر ہندوپاکستان سے برطانوی دور کے خاتمے کے بعد اس علاقے میں طاقت کا ایک خلاء پیدا ہو گیا تھا، جسے فوراً ہی امریکہ نے پُر کردیا۔ نو آزاد ممالک خصوصاً بھارت اور پاکستان کے لئے نسبتاً متوازن ہونے کے باعث یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امریکی خارجہ پالیسی ۱۹۵۰ء کی برطانیہ کی قدامت پسند خارجہ پالیسی سے بڑی حد تک متاثر ہوچکی ہے۔ جس نے ڈیڑھ سو سالہ نوآبادیاتی دورِ حکومت کے بعد برصغیر کے بارے میں اپنی معلومات کو بڑی وسعت دے دی تھی۔ پاکستان کے بارے میں امریکی خارجہ پالیسی کی بنیاد چند مخصوص نظریاتی اور معاشی مفادات پر تھی۔ امریکہ کی دوستی اور اتحاد کو قبول کرنے سے پاکستان کا مقصد بھارت کے ساتھ تنازعہ میں کسی مضبوط اتحادی کی حمایت حاصل کرنا تھا۔ اس مضمون میں پاکستان کے بارے میں امریکی خارجہ پالیسی کے تاریخی ارتقاء کے مختلف ادوار کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔





کسی بھی ملک کے بین الاقوامی معاملات کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ چند پوشیدہ بنیادی نظریات اور قانونی ڈھانچے کا جو اس ملک میں رائج ہے اور جو اس کی خارجہ حکمتِ عملی کی تشکیل میں فیصلہ کُن اہمیت کا حامل ہوتا ہے، علیحدہ سے مطالعہ کیا جائے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد امریکہ کی خارجہ پالیسی اس اصول سے قطعی جُدا نہیں رہی۔ بظاہر اس خارجہ پالیسی کا اہم پہلو یہ رہا ہے کہ یا تو جمہوریت کی آفاقی اقدار کا تحفظ کیا جائے اور سرمایہ داری نظام کو دوسرے نظریات کے اثرات سے محفوظ رکھا جائے۔ یا پھر اپنے اثرات کو بلا امتیاز دوسرے معاشروں تک وسیع کیا جائے۔ بقول مورگینتھو (MORGANTHOU) "امریکی خارجہ پالیسی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس کی تمام تر بنیاد "آزاد دنیا" کو کمیونزم کے زہریلے اثر و نفوذ سے بچایا جائے اور دنیا میں ایسے حالات پیدا کردیئے جائیں کہ اس کا طرزِ فکر با آسانی سرایت کرجائے۔"

اسی بنیادی خیال کی روشنی میں امریکہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد بے شمار دفاعی اور معاشی معاہدوں میں شریک ہوا۔ معاہدوں کے اس دور کو خارجہ پالیسی کے بعض نقادوں نے معاشرتی تاریخ میں معاہدوں کی ہوس (PACTOMANIA) کا دور قرار دیا ہے۔

ہرچند کہ پریسیڈنسی کے ادارے، اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ



ا بنیادی مقصد
ونزم روکنا ہے!



تجارتی شخصیات فائز ہیں،



تا کے فوجی اڈوں پر لگا ہوا تھا"

لیاقت علی خاں نے پاکستان میں امریکی سرمایہ کاری کا خیر مقدم کیا

پالیسی کو تشکیل دینے والے اُن افراد کے خوف اور تشویش سے قطعی مختلف نہیں جو کیمونزم کے سوویت یونین کی سرحدس کے پار پھیلنے سے وابستہ ہے۔ چنانچہ یہ بات قطعی واضح ہے کہ امریکی جنگ کے بعد پھیلنے والی افراتفری کے دوران کیمونزم کے ممکنہ پھیلاؤ اور اس کے اثرات کی جانب سے آنکھیں بند نہیں کئے ہوئے تھے۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد موافق حالات سے فائدہ اٹھانے کی کیمونسٹ جدوجہد جو کامیاب بھی ہوئی اور ناکام بھی، امریکی کانگریس کے ذہن میں ۴۷ء میں بھی تازہ تھی۔

ہر چند کہ امریکی خارجہ پالیسی کا بنیادی تصور یہی تھا کہ کمیونزم کے پھیلاؤ کو روکا جائے۔ لیکن اس پالیسی کے

ذریعہ جن مفادات کو زیادہ تقویت حاصل ہوئی وہ امریکی تجارت تھی۔ مشہور ماہرِ معاشیات او۔ کونر O,CONNOR کے ــــ مطابق "یہ انسان ہی ہوتے ہیں جو بیرونی دنیا میں وسیع اور بے حد مضبوط تعلقات کو معاشی توسیع پسندی پر مشتمل ہوتے ہیں، کنٹرول کرتے ہیں اور ساتھ ہی تمام دنیا میں ایسا فوجی جال پھیلا دیتے ہیں جو اُن کے معاشی مفادات کے تحفظ کی ضمانت دے سکے۔ ہم جدید مورخوں اور ماہرین سماجی امُور کے شکر گزار ہیں، جن کی عمیق تحقیق کی بدولت آج ہمیں یہ معلوم ہوا کہ یہی لوگ امریکہ کے اونچے طبقے پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور ملک کے ہر شعبے پر ان کے قطعی اثرات ہیں، مزید یہ کہ حکومت کے ہر ادارے پر مکمل اختیار رکھتے ہیں۔"

موجودہ مطالعہ کی بدولت ان بنیادی اور اہم اختیارات رکھنے والے لوگوں نے بارے میں، جو امریکہ کے قومی اور

بین الاقوامی معاملات کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بے حد مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۶۰ء تک ۲۱۷ بااختیار اور اہم شخصیات میں سے جو ریاستی اداروں، دفاع، جنگ، خزانے اور تجارت کے محکموں سے وابستہ تھے، ۱۳۸ شخصیتیں ایسی تھیں جو ماضی میں قانون، صنعتی تعاون، بینکنگ یا سرمایہ کاری کے اداروں یا دیگر تجارتی شعبوں سے وابستہ رہ چکی تھیں۔ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں جو خارجہ پالیسی وضع کرتا ہے۔ ۱۰۲ میں سے ۵۲ عہدیدار وہ ہیں جو ماضی میں یا تو تجارتی شعبے سے وابستہ تھے یا معاشی شعبے سے۔ ایک امریکی ماہر کولکو (KOLKO) لکھتا ہے "حقیقت یہ ہے کہ بین الاقوامی تضاد اور تشدد کے ذرائع کی نوعیت



...کا محکمہ امریکہ کی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں براہِ راست ...رتے ہیں، لیکن یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ بین الاقوامی ...کے بارے میں اُن شخصیات کا ادراک جو انتہائی ...فیصلہ کُن مقام رکھتا ہے۔ براہِ راست ملکی عوام کی ...معاشرت اور سیاسی زندگی سے متاثر ہو کر ایک واضح ...بار کرتا ہے۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ امریکہ کی رائے عامہ

امریکہ کے تیل کے مفادات کا تحفظ پاکستان کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے

امریکہ دو جابر حیثیت پسندوں میں فرق پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرےگا: لیاقت

واضح طور پر سیاسی اور معاشی ہے۔ چنانچہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ اب کسی بھی معاملہ کے فیصلے پر فوجی حکمتِ عملی اثر انداز ہو سکتی ہے"۔ چنانچہ کسی بھی ملک کے معاملات میں امریکی مداخلت فوجی کم، معاشی اور صنعتی نوعیت کی زیادہ ہوتی ہے۔

بیرونی ممالک میں معاشی طور پر امریکہ کے بڑھتے ہوئے تعاون سے اس حقیقت کی غمازی ہوتی ہے کہ بیرونی دنیا میں تمام امریکی ادارے ایک فیصد سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ لیکن ۴۰ فیصد منافع انہیں ان ممالک سے حاصل ہوتا ہے۔ ان تمام اداروں میں تیل کی امریکی کمپنیاں بیرونی سرمایہ کاری میں سب سے آگے ہیں۔ یہ کمپنیاں ۴۰ فیصد سرمایہ کاری سے ۶۰ فیصد آمدنی حاصل کرتی ہیں۔ ان معاشی مفادات کا تحفظ دو طرفہ یا ہمہ طرفہ فوجی معاہدوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف ممالک میں امریکی مسلح افواج کے نمائندوں کے ذریعے بھی یہ مقصد حاصل کیا جاتا ہے۔ ایک ذریعے کے مطابق ۱۹۶۷ء میں ۱۹ لاطینی امریکی، ۲۱ ایشیائی اور ۱۱ افریقی (علاوہ ازیں ۱۳ یورپی) ممالک میں امریکہ کی مسلح افواج کے نمائندے موجود تھے۔

جان فوسٹر ڈلس جو آئزن ہاور انتظامیہ میں سیکرٹری آف اسٹیٹ تھے، کمیونزم کو روکنے اور امریکی مفادات کو وسیع کرنے کی امریکی پالیسی میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ ایک امریکی ماہر ہیمنڈ (HAMMOND) کے مطابق ڈلس نے امریکہ کے بیرونی دنیا کے ساتھ تعلقات کو قانونی اور فوجی امداد اور تعاون کے ذریعے چین اور سوویت یونین کی سرحدوں تک وسیع کر دیا ہے۔ اس کامیابی میں سیٹو کی تشکیل اور اس کے ممبران اور معاہدہ بغداد کے ممبر ممالک کیلئے جاری فوجی امداد کی پیش کش کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ نیٹو (NATO) معاہدۂ بغداد یا سینٹو (CENTO) اور سیٹو (CETO) معاہدوں میں شریک ممالک میں سب سے زیادہ اہم ممالک پاکستان اور ترکی ہیں۔ پاکستان کے پاس سیٹو اور سینٹو کی دوہری رکنیت ہے۔ لیکن ۱۹۷۲ء میں پاکستان نے سیٹو سے اپنی رکنیت ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے برخلاف ترکی سینٹو اور نیٹو معاہدوں میں شریک ہے۔ پاکستان کی اہمیت ان معاہدوں میں شرکت سے اس لئے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ امریکہ کی نظر میں جنوب مغربی ایشیا میں اس کے پیٹروں کے مفادات کی حفاظت صرف پاکستان کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ ہر چند کہ ڈلس سوویت یونین، عوامی جمہوریہ چین اور ان کے اتحادیوں کے اثر و رسوخ کو روکنے کے اس منطقی تجزیے کا ذمہ دار ہے اور یہ کہنا بے جا ہوگا کہ صرف



اسکندر مرزا کو کیرو کی سفارش پر انڈین پولیٹیکل سروس میں شامل کر لیا گیا

ریپبلکن انتظامیہ ہی ان معاہدوں کی ذمہ دار تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آئزن ہاور کے برسر اقتدار آنے سے بہت پہلے ہی محکمہ دفاع میں یہ پالیسی تشکیل دیدی گئی تھی۔

پس پردہ پاکستان کے لئے امریکی پالیسی کیا تھی؟ اس کا کھوج ہم سر اولف کیرو، جو برطانوی دور میں انڈین سول سروس کے ایک نمایاں رکن تھے، کی تحریروں سے لگا سکتے ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں کیرو نے سب سے پہلے یہ تجویز پیش کی تھی کہ جنوب مغربی ایشیا میں مغربی مفادات کا تحفظ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ مغربی دنیا پاکستان سے قریبی تعاون حاصل کرے۔ وہ لکھتا ہے۔

"دوسری جنگِ عظیم میں اتحادیوں کی عراق اور ایران میں فوجی کارروائیاں صرف ہندوستان کے مضبوط فوجی اڈے کی وجہ سے ہی ممکن ہو سکی تھیں۔ موجودہ ایام میں برصغیر میں آزاد حکومتوں کا قیام پرانے مسائل تک رسائی حاصل کرنے کی نئی کوششوں کا راستہ کھول دیتا ہے۔ شمال مغربی سرحدی صوبے کی اہمیت اور کراچی کے ذریعے خلیج میں داخلے میں آسانی کی وجہ سے پاکستان بھارت کے مقابلے میں زیادہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ خلیج کی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے چہ جائے کہ کم ہو اور یہ اس وجہ سے ہے کہ دنیا بھر میں پٹرول کی مانگ بڑھتی جا رہی ہے۔ اس میں استحکام اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب اس مسلم خطے کے گرد پھیلی ہوئی ریاستوں کے درمیان قریبی مفاہمت قائم ہو۔ اور یہ مفاہمت بڑی طاقتوں کے ذریعے ہی پیدا ہو سکتی ہے، جن کے مفادات اس سے وابستہ ہیں۔"

ان ممالک کے درمیان تعاون اور اتحاد کے امکانات حقیقت پسندانہ ہیں جو اس مسلم خطے کو اپنے گھیرے میں لئے ہوتے ہیں۔ بقول کیرو، پاکستان تاریخی اور ثقافتی طور پر ایران سے ہم آہنگ ہے۔ چنانچہ اس کی اہمیت ان معاہدوں کے لئے مزید بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"برصغیر سے اگر مغرب کی طرف نظر ڈالی جائے تو پاکستان اور کسی حد تک بھارت کے ثقافتی رشتے عرب دنیا کے کسی حصے کی بہ نسبت ایران سے زیادہ قریب ہیں۔ اس کی وجوہات یہ ہیں کہ غیر منقسم برصغیر میں مسلم تہذیب کی جڑیں مغل اور پٹھان خاندانوں کے عہدِ حکومت میں مضبوط ہوئیں، جو خراسان کی تہذیب سے ابھر کر ہندوستان آئے تھے۔ عرب سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ گو وہ اسلام کے مضبوط رشتے میں ایک دوسرے سے وابستہ تھے۔"

ایران اور پاکستان کے اتحاد پر ایک اور جگہ کیرو لکھتا ہے۔

"ایک احساس یہ ہوتا ہے کہ دریائے سندھ تک کا ایشیا کا بالائی علاقہ ایک ملک پر محیط ہے۔ ایرانی روح اس



بھارت میں کمیونسٹ پارٹی کی ناکامی کا سبب قومی جذبات سے لاتعلقی، پنڈت نہرو

پورے علاقے پر اپنا وجود پھیلائے ملتی ہے۔ جس سے اس تائیے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کا پس منظر ایک ہے، ثقافت ایک ہے، اظہار کا انداز ایک ہے۔ اور روحوں کی یہ ہم آہنگی (یا پاکستان میں) پشاور اور کوئٹہ تک ہر جگہ محسوس ہوتی ہے۔"

بھارت کے مقابلے میں پاکستان مشرقِ وسطیٰ کے دفاع کے لئے ایک بہترین فوجی اڈہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ ثقافتی اور مذہبی طور پر یہ ملک اس علاقے کے دوسرے ممالک سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہے بلکہ پاکستان کی جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے اس کی فوجی اہمیت میں اضافہ ہو جاتا ہے چنانچہ کیرو کراچی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

"کراچی بلوچستان کے مشرق میں اور دریائے سندھ کے دہانے کے قریب واقع ہے۔ کراچی ماضی میں خلیج میں داخل ہونے کے لئے ایک اہم بندرگاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اب یہ شہر جنوبی ایشیا کا انتہائی اہم ہوائی اڈہ ہے اور ریلوے کا بہت بڑا جنکشن ہے جہاں پورے پاکستان سے گاڑیاں آتی اور روانہ ہوتی ہیں۔"

ہر چند کہ بھارت کو جو کہ پاکستان کے مقابلے میں ایک بڑی طاقت ہے، منطقی طور پر مشرقِ وسطیٰ میں مغربی قوموں کے مفادات کی حفاظت کے لئے ایک فوجی اڈہ ہونا چاہیئے تھا لیکن کیرو اس خیال کو رد کرتا ہے کیونکہ اس کے خیال میں برصغیر کی تقسیم کے بعد اس علاقے کے توازن میں بڑی تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ ۱۹۵۱ء میں کیرو نے لکھا تھا کہ "وجود میں آنے والی دو ریاستوں یعنی بھارت اور پاکستان میں بعض خطرناک اختلافات موجود ہیں۔ چنانچہ اس علاقے میں کسی بھی متحدہ دفاعی ڈھانچے کی تشکیل کے بارے میں مباحثے سے پہلے سرحدوں کی موجودہ ساخت میں تبدیلیاں یقیناً آنی چاہئیں۔"

۱۹۴۹ء میں کیرو امریکہ سے اتحاد کے سلسلے کسی خاص مقام کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ پاکستان کو بطور مغربی اتحاد میں مرکزی حیثیت دینے کے خلاف تھا۔ کیونکہ بھارت کی تمام سیاسی پارٹیوں نے برصغیر میں پاکستان کی سیاسی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ مثال کے طور پر تقسیم ہند سے صرف دو ماہ قبل یعنی جون ۱۹۴۷ء میں جب آل انڈیا نیشنل کانگریس نے بالآخر پاکستان کے تصور اور اس کی علیحدہ خود مختار حیثیت کو تسلیم کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ برابر یہ دباؤ ڈالا جاتا رہا کہ برصغیر کا یہ سیاسی حل ایک عارضی اہمیت رکھتا ہے ورنہ آخری تجزیہ یہ ثابت کر دیگا کہ برصغیر میں متحدہ بھارت کی شکل میں صرف ایک آزاد قوم کا وجود رہ سکتا ہے۔

"جغرافیہ، پہاڑ اور سمندر بھارت کی زمین کو سنوارتے ہیں۔ اور کوئی انسانی قوت اس کی ہیئت کو نہ تو تبدیل کر سکتی ہے اور نہ ہی کوئی اس کی خود مختاری اور وقار کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ معاشی صورتِ حال اور بین الاقوامی معاملات کے مسلسل مطالعے کے باعث بھارت کا اتحاد اور

ہندو مہاسبھا کا دایاں بازو پاکستان کے خلاف شدید ردِ عمل کا اظہار کر رہا تھا اور ساتھ ہی "اکھنڈ بھارت" کا مطالبہ کر رہا تھا۔ "بھارت ایک ہے اور اسے کوئی تقسیم نہیں کر سکتا۔ برصغیر میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا، جب تک بھارت سے الگ کئے جانے والے حصوں کو دوبارہ انڈین یونین میں شامل نہیں کیا جاتا، اور اس کا جزو لاینفک قرار نہیں دیا جاتا۔" بھارت کے رویہ کے بارے میں پاکستان کے ردِ عمل کو سارڈار نے بڑی عمدگی سے یوں خلاصہ کیا ہے۔

"ہندو بڑے اعتماد کے ساتھ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ نئی ریاست کچھ ہی دنوں میں ختم ہو جائے گی۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ملک معاشی استحکام کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہ مسلمان انتظامی امور کو سنبھالنے کے اہل نہیں ہوتے۔ ان کے خیال کے مطابق جب اس کا خاتمہ ہوگا تو ہم نہ صرف مسلمانوں کے بلکہ دوسرے تمام لوگوں کی قسمتوں کے مالک ہوں گے۔ یہ ان کی امید تھی اور یقیناً انہوں نے اس امید کو پورا کرنے کے لئے کوششیں بھی کیں۔"

مغربی اتحاد کی مجوزہ تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں مزید دشواریاں بھارت کے سوشلسٹ رجحانات کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ بھارت کے پہلے وزیرِ اعظم آنجہانی جواہر لال نہرو ان معنوں میں کمیونسٹ نہیں تھے کہ وہ کارل مارکس کی تحریروں پر پختہ یقین رکھتے تھے اور انہیں اس قدر مقدس سمجھتے تھے کہ کوئی ان تحریروں کا ثانی پیش نہیں کر سکتا۔ وہ بہر حال اس حقیقت سے آشنا تھے کہ "بھارت میں کمیونزم کی زمین بڑی زرخیز ہے۔" نہرو نے اپنی تحریروں میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا بھی تھا کہ "بھارت میں کمیونزم

امریکی سامراج معاشی مفادات کے لئے فوجی جال پھیلاتا ہے

زیادہ ضروری اور اہم ہو گیا ہے۔ کانگریس کو کامل یقین تھا کہ موجودہ انتشار اور دباؤ کے خاتمے کے بعد بھارت کے مسائل کو حقیقت پسندانہ طور پر سمجھا جائے گا۔ اور بھارت سے دو ادوار کی تاریکیاں چھٹ جائیں گی۔"

کی راہ بڑی ہموار ہے لیکن اس کے باوجود کمیونسٹ پارٹی اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس پارٹی نے اپنے آپ کو قومی جذبات سے قطعی لاتعلق کر لیا ہے۔" قطع نظر اس کے کہ آنجہانی نہرو کمیونسٹ پارٹی کے شدید

لیاقت علی کی شہادت نے پاکستان پر امریکی فوجی تسلط کی راہ ہموار کردی

مخالف تھے، وہ کئی بار اس کا اقرار کر چکے تھے کہ وہ "کمیونسٹ نظریے کی جانب ذہنی طور پر زیادہ مائل ہیں۔"

برطانیہ، ہر چند کہ وہ امریکہ کی طرح شدت کے ساتھ سوشلسٹ نظریے کی مخالفت نہیں کرتا، سوشلزم کی طرف جھکاؤ رکھنے والی قوم کے ساتھ تعاون میں شریک ہونے کا کبھی مخالف نہیں رہا۔ دراصل قدامت پسند پارٹی اسی طرزِ فکر پر گامزن تھی، جس کا مطمعِ نظر جنوب مغربی ایشیا میں پٹرول کے ذخیروں کو تحفظ دینے کے لئے علاقائی دفاعی معاہدے کی بنیاد رکھنا تھا۔ ان کی امید پر اس وقت بالکل ہی پانی پھر گیا، جب نہرو نے کھلم کھلا غیر جانبدارانہ پالیسی کا پرچار شروع کیا۔ ۱۹۴۹ء میں آنجہانی نہرو نے کہا تھا۔

"بھارت کی پالیسی کے بنیادی مقاصد یہ ہیں: امن کا قیام، کسی بڑی طاقت کے ساتھ معاہدوں میں شریک ہو کر نہیں بلکہ متنازعہ یا اخلاقی مسائل پر آزادانہ سوچ بچار کے ذریعے۔"

بھارت جب اپنی خارجہ پالیسی کو غیر جانبدارانہ بنیادوں پر پائیدار بنا رہا تھا، پاکستان اُن ہی دنوں میں کسی ایسے اتحادی کا متلاشی تھا جو بھارت کے ساتھ ٹکراؤ میں اس کا ہم رکاب ہو سکے۔ مغرب سے روابط بڑھانے کا آغاز ۱۹۵۰ء میں پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کے امریکی دورے سے ہوا۔ واشنگٹن میں نیشنل پریس کلب کے اراکین سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔

"متضاد نظریات رکھنے والی دنیا میں، نو آزاد قوموں کو بڑی دشواریوں کا سامنا ہے۔ وہ ذہنی انتشار اور عدم استحکام کا شکار ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ یہ معاملہ اطمینان بخش ہونے یا نہ ہونے کا نہیں کہ ان قوموں میں سے کم از کم ایک قوم اس انتشار کا شکار نہ ہو اور روایت اور یقین کی روشنی میں اس معاملے کو جمہوریت کے باشعور اصولوں اور معاشی انصاف سے صاف صاف وابستہ کر دینا چاہیئے۔"

امریکہ اور پاکستان کے سیاسی اداروں کی یکسانیت

اور ہم آہنگی کی گہرائی تک پہنچنے کیلئے نجی جائیداد کے بارے میں لیاقت علی خان کے خیالات کو بھی پرکھنا پڑے گا۔ جن کی تشریح انہوں نے کئی بار نہایت سادہ الفاظ میں کی ہے۔ ان کے مطابق "نجی جائیداد کا اصول نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیا کے ہر حصے میں معاشی توازن قائم کرنے میں معاون ہو سکتا ہے۔" انہوں نے امریکی صنعت کاروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری کی ترغیب دلائی اور ان کی حوصلہ افزائی بھی کی۔

"ہم بیرونی سرمائے کو ملکی سرمایہ کاری میں شریک ہونے پر خوش آمدید کہتے ہیں۔ بعض صنعتوں میں یہ سرمایہ ۵۱ فیصد اور بعض میں ۳۰ فیصد تک ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ صرف اس وقت تک ممکن ہے جبکہ ملکی سرمایہ ایک مناسب وقت میں نشوونما پاتا ہے۔"

دفاع کے معاملے میں وزیر اعظم، امریکہ کا خصوصی طور پر ذکر کرتے ہوئے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں "ہم جانتے ہیں کہ آپ جارحیت کا مقابلہ کرنے کے پابند ہیں۔ ایسی مشکل گھڑیوں میں پاکستان کو آپ اپنے دوستوں کے ساتھ پائیں گے۔" بھارت کے ساتھ کشمیر کے تنازعہ کو سامنے رکھتے ہوئے لیاقت علی خان نے یہ واضح

پاکستان ۱۹۵۲ء تک امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی حدبندیاں حاصل کرنے میں ناکام رہا

کر دیا تھا کہ جارحیت سے ان کی مراد صرف کمیونسٹ جارحیت نہیں بلکہ جارحیت کا ایک عام تصور ان کی نظر میں ہے۔ چنانچہ انہوں نے امید ظاہر کی تھی کہ "امریکہ دو جارحیت پسندوں میں فرق پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

پاکستان کی اس پالیسی کا مغربی دنیا میں اچھا ردِ عمل ہوا، اور اُس نے اس پالیسی کو خوش آئند قرار دیا۔ پاکستان کی نسبتاً واضح نظریاتی، معاشی اور ساتھ دفاعی حیثیت کا مغربی طاقتوں نے خیر مقدم کیا اور یہ حیثیت مستقبل کے لئے خارجہ پالیسی وضع کرنے میں بڑی معاون ثابت ہوئی۔ پاکستان کی فوجی اہمیت اور جنوب مغربی ایشیا میں تیل کے ذخائر کا تحفظ اور ساتھ ہی اس کی سیاسی صاف گوئی کو موضوع بناتے ہوئے کیرو لکھتا ہے۔

"بظاہر بھارت مشرقِ وسطیٰ کے دفاع کے لئے کسی طرح بھی فوجی اڈے کے طور پر استعمال نہیں ہو سکتا۔ یہ ملک دفاعی لائن کے کنارے پر واقع ہے۔ اس کے برخلاف پاکستان کا محلِ وقوع جنوب مغربی ایشیا کی حدود میں آتا ہے۔ جیسا کہ فضائی جائزے سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ پاکستان کے پاس کچھ نئے اور دلوں میں اتر جانے والے پیغامات ہیں۔ یہ بات بعید از قیاس نہ ہوگی کہ اس کی نئی اور ابھرتی ہوئی قوت مسلم دنیا کے لئے متاثر کُن نہ ہو۔"

کیرو مغربی دنیا کے لئے پاکستان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک بار پھر لکھتا ہے۔

"خلیجِ فارس کے آس پاس قیمتی ذخائر کی حفاظت کے لئے حالات کے مطابق پالیسی اور جنوب مغربی ایشیا میں کمیونزم کی روک تھام کے لئے خوشحال ریاستوں کا قیام پاکستان کی موجودگی سے زیادہ آسان ہو سکتا ہے۔"

جیسا کہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ کیرو نے خیالات کا اظہار کھلم کھلا طور پر ۱۹۵۱ء میں امریکی حکومت کے سامنے کر دیا تھا۔ جو اس علاقے میں ایک ٹھوس پالیسی کی متلاشی تھی۔ امریکی دانشور اور اسکالر اس تاریخی عمل کے بارے میں تازہ معلومات

نہیں رکھتے تھے جو جنوبی ایشیا میں نئی ابھرتی ہوئی قوموں کی صورت میں ظاہر ہو رہا تھا۔ برانڈس کے مطابق "وہ امریکی اسکالر جنہوں نے ایشیائی امور میں سند حاصل کی تھی۔ یہ بتانے سے قاصر تھے کہ جو عمل اس وقت ہو رہا ہے اس کی اہمیت کیا ہے۔ یا یہ کہ ہندوستان، ایران یا انڈونیشی سوچ اور عمل کا تجزیاتی جائزہ کیا ہے؟ قدیم تہذیب، نوآبادیاتی نظام میں زندگی کے طریقے اور قوم پرست جدوجہد ان سب نے نو آزاد اقوام کا قیام ممکن بنا دیا۔ خود عوام کے لئے یہ کتنا کٹھن اور مسائل سے لبریز ہوگا۔ چہ جائیکہ بیرونی اسکالر اور یہ کہ مغربی دنیا کے ہاتھوں ذلت اور رسوائی برداشت کرنے میں اُن کے مشترکہ تجربات نے ان کے درمیان قدیم اختلافات کو اور وسیع کر دیا اور نئے تنازعات ایشیائی عوام کے لئے بھی اتنے ہی حقیقی تھے، جتنے مغربی اسکالروں اور سرکاری عہدیداروں کے لئے ــــــ"

اس تذبذب کی کیفیت میں امریکی حکومت کیلئے اس کے سوا کوئی اور چارہ نہ رہا کہ وہ کیرو کی وسیع معلومات سے استفادہ کرے ــــــ چنانچہ ۵۱ء میں اس کے پہلے ہم خیال جنرل ہوئت وین ڈینبرگ نے جو اُس زمانے میں امریکی سفیر چیسٹر باؤلز کو اپنے ایک پیغام میں کہا "ہم بھارت سے باہر آپ کو کچھ زحمت دینا چاہتے ہیں کیونکہ ہماری نظریں پاکستان میں فوجی اڈوں پر لگی ہوئی ہیں۔"

اندرونی طور پر سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے جس کا نتیجہ ۵۱ء میں لیاقت علی خان کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا۔ سول اور فوجی بیوروکریسی پاکستان کی قسمت کی مالک بن بیٹھیں۔ چنانچہ پاکستان کے گورنر جنرل کے آفس میں برٹش آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس سروس کا ایک سینئر افسر غلام محمد کرسی نشین ہو گئے اور فوجی کنٹرول اسکندر مرزا کے ہاتھوں میں چلا گیا جو کہ سینڈہرسٹ ملٹری کالج کا ایک گریجویٹ تھا اور جو بعد میں کیرو کے اثر و رسوخ کے باعث انڈین (برطانوی) پولٹیکل سروس میں شامل ہو گیا اور کچھ ہی عرصے میں پہلا سیکرٹری دفاع اور بعد میں پاکستان کا پہلا صدر بن بیٹھا۔ اس "مذہبی حکومت" کا ایک اور اہم رکن جنرل محمد ایوب خان تھا۔ یہ بھی سینڈہرسٹ ملٹری کالج کا گریجویٹ تھا، اور پاکستانی افواج کا پہلا کمانڈر انچیف بھی تھا۔ گو فوجی امداد حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار ۵۱ء سے پہلے ملک کے سیاست دان اکثر کرتے رہتے تھے۔ لیکن یہ اس وجہ سے ناممکن تھا کہ نہ تو اس ضمن میں امریکہ کیلئے کوئی واضح پالیسی مرتب کی گئی تھی اور نہ ہی یورپ کے دفاعی انتظام سے امریکہ کو فرصت مل سکی تھی۔ لیکن سول اور ملٹری حکموں میں تبدیلیوں کے باعث امریکہ کے لئے یہ نسبتاً آسان ہو گیا کہ وہ فوجی امداد کے مسئلے پر پاکستان سے مذاکرات کرے۔ چنانچہ پہلی بار امداد دینے کی خواہش کا اظہار بریگیڈیر جنرل میرس نے ۱۹۵۱ء میں کیا اور (پنٹاگون) کی ہمدردیاں بھی اس تجویز سے وابستہ ہو گئیں۔ لیکن بقول ہیریسن "پاکستان ۵۲ء تک اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں اپنے لئے ہمدردیاں پیدا کرنے میں قطعی ناکام رہا۔" پاک امریکی تعلقات میں ایک اہم موڑ اس وقت آیا جب دسمبر ۵۲ء میں مملکت کے اسسٹنٹ سیکرٹری برائے جنوب مغربی ایشیا اور افریقہ کے عہدے پر ہنری بایروڈ کا تقرر عمل میں آیا۔ بایروڈ نے یہ عہدہ سنبھالنے کے لئے بریگیڈیر جنرل کے اہم فوجی عہدے سے استعفیٰ دیدیا تھا۔ بقول ہیریسن، وہ اس علاقے کے بارے میں کوئی خاص معلومات نہ رکھتا تھا، چنانچہ فوری ضرورت کے تحت اس نے کیرو کی تحقیق پر بھروسہ کیا۔ اور جب ۵۲ء میں کیرو واشنگٹن آیا تو اس نے کیرو سے طویل مذاکرات بھی کئے۔ بایروڈ کے تقرر کے بعد، یہ ممکن ہو سکا کہ پاکستان اور امریکہ کی سول اور فوجی بیوروکریسی ایک میز کے گرد جمع ہوئی۔

آئزن ہاور انتظامیہ نے امریکی فکر میں کمیونزم کی مخالفت کے لئے بڑی پختگی پیدا کی۔ پاکستان جیسا کہ وہ ۵۱ء میں ہی کمیونزم کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کر چکا تھا، جنوبی ایشیا کا پہلا ملک تھا جو امریکہ کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ مئی ۵۳ء میں جان فوسٹر ڈلس نے پاکستان دورہ کیا اور اس دورے کے فوراً بعد ایک سات رکنی فوجی وفد اکتوبر ۵۳ء میں پاکستان کے دورے پر جا پہنچا۔ ترکی میں متعین امریکی مشن کے ڈپٹی چیف نے بھی اسی دوران پاکستان کا دورہ کیا۔ اس کے جواب میں پاکستان کے کئی فوجی اور سول وفود امریکہ کے دورے پر گئے۔ سیکرٹری دفاع اسکندر مرزا اور پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان نے نیٹو کے اتحادی ملک ترکی کا دورہ کیا، جہاں سے ایوب خان خصوصی دعوت پر امریکہ گئے۔ اس دورے کا مقصد امریکہ میں اہم فوجی تنصیبات کا معائنہ کرنا تھا۔

جب پنٹاگون اور پاکستانی مسلح افواج کے نمائندے ۱۹۵۱ء کے محدود پروگرام کو وسعت دینے کے مسئلے پر مذاکرات میں مصروف تھے، امریکہ کے تمام ذرائع ابلاغ پاکستان سے حاصل ہونے والے ممکنہ فائدوں کی تشہیر میں مصروف تھے۔ رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں بدلنے کے لئے بین الاقوامی معاملات میں بھارت کے کردار سے بڑا فائدہ اٹھایا گیا۔ ذرائع ابلاغ سے یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ بھارت تاریخی طور پر کمیونزم کے لئے ہمدردیاں رکھتا ہے۔ اور اقوام متحدہ میں بھارتی نمائندے روسی نمائندوں سے بہت قریب رہ کر یکساں پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ ان ذرائع سے ہٹ کر امریکی سینیٹ بڑی گرمجوشی سے پاک امریکی دفاعی معاہدے کا خیر مقدم کر رہی تھی۔

آئزن ہاور نے بھارتی نمائندے سے کہا "امریکہ کراچی سے فوجی اتحاد کے معاملے میں محتاط رہے گا"

امریکی "روح" دریائے سندھ کے بالائی حصے تک پھیلی ہوئی ہے: کیرو

اور اسے کمیونزم کو روکنے کے لئے ایک اہم قدم قرار دے رہی تھی۔ چنانچہ سینٹر ناؤلینڈ نے جو سینیٹ میں اکثریتی پارٹی کے لیڈر تھے ۱۹۵۳ء میں جنوب مشرقی ایشیاء کے ایک نجی دورے سے واپسی پر ایک بیان میں کہا کہ "پاکستان، ترکی کی طرح کمیونزم کے خلاف ایک ٹھوس چٹان کی حیثیت رکھتا ہے۔" اور یہ کہ "پاکستان یقیناً ایک قابلِ اعتبار اتحادی بن سکتا ہے۔" سینٹر نولینڈ نے بھارت کی غیر جانب دارانہ پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ "بھارت کو ایشیاء کا ترجمان نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ وہ اس علاقے کی نظریاتی، ثقافتی اور مذہبی اقدار سے فرار حاصل کر رہا ہے۔"

۱۹۵۴ء میں امریکہ کو پاکستان میں ایک مضبوط اور قابلِ اعتبار اتحادی مل گیا جو غیر جانبدار بھارت کے پڑوس میں واقع تھا۔ پاکستان کے بارے میں یہ کہا گیا کہ یہ ملک تین لاکھ رضا کار فوج کا مالک ہے ---- یہ غیر جانبدار نہیں ہے بلکہ کمیونزم کا مخالف ہے ---- اب تک امریکہ کو ترکی سے جزائر شرق الہند تک دفاعی نظام میں ایک خلاء کا سامنا تھا ---- ایک ممکنہ اتحادی کے طور پر پاکستان طاقت کے توازن میں اہم مقام رکھتا ہے ----

بھارت کے اس خوف سے قطع نظر کہ پاکستان کو دی جانے والی فوجی امداد اس کے خلاف استعمال ہوگی عرب اقوام کو بھی یہ اندیشہ تھا کہ یہ امریکی امداد، مشرق وسطیٰ اور پاکستان کے تعلقات پر اثر انداز ہوگی اور آئزن ہاور کی بھارتی نمائندے کو واشنگٹن میں یقین دہانی کہ "کراچی سے فوجی اتحاد کے معاملے میں امریکہ بہت محتاط رہے گا۔" دونوں حکومتوں کے قریبی ذرائع نے نومبر ۱۹۵۳ء میں یہ انکشاف کیا کہ،

"پاکستان اور امریکہ اس بات پر متفق ہوگئے ہیں کہ ۲۵۰ ملین ڈالر کی امداد پاکستانی فوجوں کو مسلح کرنے پر خرچ کی جائے گی۔"

امریکہ کے لئے اس معاہدے کی یہ افادیت تھی کہ اس طرح تیرہ ڈویژن ---- پر مشتمل فوج کی ہمدردی اُسے حاصل رہے گی۔ اور سوویت یونین کی سرحدوں کے قریب کچھ فوجی اڈے اُس کے استعمال میں رہ سکیں گے۔"

اِن تمام واقعات نے بالآخر ایک معاہدے کی شکل اختیار کر لی اور ۸ر فروری ۱۹۵۴ء کو پاکستان کے لئے باقاعدہ فوجی امداد کا اعلان کیا گیا۔ سینٹر فلبرائٹ اس فوجی معاہدے پر تنقید کرنے والوں میں سے ایک تھا۔ اس نے ۲ر مارچ ۱۹۵۴ء کو امریکی کانگریس میں یہ شکایت کی کہ اسسٹنٹ سیکرٹری آف اسٹیٹ بائیروڈ نے صرف دس روز قبل فوجی امداد کے لئے خارجہ تعلقات کی کمیٹی کو نوٹس جاری کیا تھا۔ فلبرائیٹ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور خارجہ تعلقات کی کمیٹی کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے۔

"بائیروڈ ہماری رائے معلوم نہیں کر رہا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کو اسلحہ فراہم کرنے کا فیصلہ بہت بڑی بدنصیب غلطی ہے ----- میں اس کو نامنظور کرتا ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ "ریکارڈ" میں میری نامنظوری کو واضح طور پر شامل کیا جائے۔ کیونکہ مستقبل میں اس پالیسی کے نتائج سب کے سامنے آئیں گے میں چاہتا ہوں کہ سب کو یہ معلوم ہو کہ ذمہ داریاں کن کاندھوں پر ہیں ------ میں پاکستانی عوام کی اپنے دل میں بڑی عزت رکھتا ہوں۔ اتنی ہی عزت بھارتی عوام کے لئے بھی ہے ---- اُن کی مشکلات جنگ کا پیش خیمہ بن سکتی ہیں۔ ہم ان دونوں کے درمیان اختلاف سے بھی ناواقف نہیں چنانچہ ہمیں ان دونوں کے ساتھ دینے اور تعلقات استوار کرنے میں سخت محتاط رہنا پڑے گا۔"

پہلے پاک امریکی دفاعی معاہدے پر ۱۹ر مئی ۱۹۵۴ء میں کراچی میں دستخط ہوئے اور اس کے ساتھ ہی پاکستان سیٹو (۸ر ستمبر ۱۹۵۴ء) اور معاہدہ بغداد (۱۹۵۵ء کے اوائل میں) میں بھی شامل ہوگیا۔ جن کی بنیاد بھی امریکہ ہی نے رکھی تھی۔ ان معاہدوں کے علاوہ ۵ر مئی ۵۹ء کو پاکستان امریکہ کے ساتھ ایک اور دفاعی معاہدے میں شامل ہوگیا۔ یہ تمام معاہدے ۷۳ء میں بھی موجود ہیں۔ بہرحال ۶۵ء اور ۷۱ء کی پاک بھارت جنگوں اور مشرقی پاکستان کی علیٰحدگی کے بعد یہ نظر آتا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ان معاہدوں کی افادیت اور اہمیت میں کمی آگئی ہے لیکن پاکستان میں بیوروکریٹک، فوجی اور سرمایہ دارانہ اثر کو ختم کئے بغیر ان معاہدوں سے مکمل علیٰحدگی ممکن نہیں ہے۔

(پاکستان فورم۔ شمارہ ۶-۷، مارچ، اپریل ۱۹۷۳ء)

افسانہ

دُوسرا بَیلؔ

بونت سنگھ

آج سے بارہ سال پہلے مُنی لال نے ایف۔اے پاس کیا تھا۔ تھوڑے دن بعد اس کے باپ نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا تھا۔

"بیٹا اب آئندہ تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

مُنی لال نے تفصیل کے ساتھ اپنا پروگرام بتایا تھا۔ کہ وہ کیسے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ کرے گا اور وہ کرے گا۔ لیکن باپ نے کہا تھا۔

"مُنی بیٹا! تم سے گھر کی حالت چھپی ہوئی نہیں ہے۔ تمہارے چھوٹے چھوٹے بھائی اور جوان بہنیں ہیں۔ اگر تم مفت پڑھ سکو تو بھی میں تمہیں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اگر میرے حالات موافق ہوتے تو یقیناً میں بخوشی تمہیں اعلیٰ تعلیم دلواتا۔ لیکن موجودہ صورت میں میری رائے یہ ہے کہ تم کوئی کام شروع کر دو۔ سرمایہ ہمارے پاس ہے نہیں۔ اس لئے ملازمت ہی کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔ کسی نہ کسی محکمے میں جا گھسو۔ مطلب یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ کر ڈالو۔ ترقی کرنا تمہارے اپنے ہاتھ میں ہوگا۔"

اب وہ اخباروں میں "ضرورت" کے اشتہار دیکھنے لگا۔ ہر جگہ صرف کلرکوں کی ضرورت تھی۔ وہ کلرک نہیں بننا چاہتا تھا۔ حالانکہ اس کا باپ اس میں کوئی عیب محسوس نہ کرتا تھا۔ آخر وہ بھی تو کلرک تھا۔

لڑائی کا زمانہ تھا چیزیں مہنگی ہو رہی تھیں۔ نوکری پیشہ لوگوں کے لئے مصیبت تھی۔ باپ ہر دوسرے روز کسی نہ کسی بہانے کہتا۔

"بیٹا! آج کل تو ملازمتوں کی کچھ کمی نہیں۔ تم خود کسی بھی لائن میں چلے جاؤ۔ نوجوانوں کیلئے بہت اچھا موقع ہے۔"

جب بیکاری ایک بھوت کی طرح اس پر مسلط ہوگئی، تو اس نے باپ کی بات مان لی۔ باپ نے اپنے ایک دوست سے اسسٹنٹ کنٹرولر کے نام سفارشی خط حاصل کیا تاکہ مُنی لال کو راشننگ کے دفتر میں ملازم کروا دیا جائے۔

دوسرے دن مُنی لال اسسٹنٹ کنٹرولر کے گھر گیا۔ وہ نہیں ملا۔ شام کے وقت گیا نہیں ملا، رات کے وقت پہنچا نہیں ملا۔ پھر اگر وہ گھر پہ ہوا تو ہر مرتبہ کوئی نیا بہانہ، صاحب نہا رہے ہیں، صاحب کھانا کھا رہے ہیں، صاحب چائے پی رہے ہیں، صاحب کسی سے باتیں کر رہے ہیں۔ اور اگر کچھ بھی نہ ہوا تو صاحب آرام فرما رہے، دو تین دفعہ وہ دفتر میں گیا تو معلوم ہوا کہ صاحب بہت مصروف ہیں۔ اس طرح اس کی خودداری مٹی میں مل جاتی۔ اور شام کے وقت وہ اپنے باپ کو ساری بات کہہ سناتا تو وہ کہتا۔

"اچھا کوئی بات نہیں پھر چلے جانا...."

باپ کا یہ حکم سن کر اس کا دل پاش پاش ہو جاتا وہ کچھ کہنے کے لئے سر اٹھاتا تو اس کی آواز بھرا جاتی، اور وہ خاموش ہو رہتا۔



ایک دن وہ صبح کے وقت بہت جلد اسسٹنٹ کنٹرولر کی کوٹھی پہ پہنچا۔ سردی کا موسم تھا، وہ پہلے کبھی ایسے موقع پر گھر سے نہیں نکلتا تھا۔ اُس دن اسے اندر بلا لیا گیا صاحب کرسی پر بیٹھے تھے۔ نوکر ان کا پاؤں زانو پر رکھے بوٹ صاف کر رہا تھا۔

اس نے اندر داخل ہوتے ہی جھک کر نمستے کہی۔ جواب میں سر ہلا دیا گیا۔ اس نے وہ سفارشی چٹھی اس کے ہاتھ میں دے دی۔ چٹھی پڑھنے کے بعد حکم ہوا کہ دن کے وقت گیارہ بجے دفتر میں آؤ۔

وہ گھر لوٹ آیا۔

جب گیارہ بجے دفتر پہنچا تو دفتر کے باہر کھڑے انتظار کرنے کا حکم ملا۔ پھر اسے جلدی سے تین بجے کے قریب اندر بلایا گیا۔ اسسٹنٹ کنٹرولر نے سر سے پاؤں تک اس کی طرف دیکھا۔

"کیا کام ہے؟"

اسے بڑا تعجب ہوا۔

"آپ ہی نے تو یاد فرمایا تھا۔"

"میں نے؟... او... او ہم... تم نے ایف۔اے کس سال پاس کیا؟"

"جی اسی سال۔"

"پہلے کہیں کام کیا ہے؟"

"جی نہیں۔"

"یعنی بالکل ناتجربہ کار۔"

وہ چپ رہا۔

"دراصل ایسے آدمیوں کے لئے ہمارے ہاں جگہ نہیں۔"

اس کا دل دھڑکنے لگا۔

"... لیکن چونکہ چاند صاحب نے لکھا ہے..."

پھر صاحب کاغذات اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ دفعتاً چونک کر کہا۔

"اچھا تم جا سکتے ہو۔"

وہ کچھ ہچکچایا۔

"... عرضی لکھ کر دو... کنٹرولر کے نام۔"

وہ چلا گیا۔

باپ دفتر سے گھر پہنچا تو چھوٹتے ہی پوچھا۔

"بیٹا کیا ہوا؟"

مُنی لال نے ساری بات کہہ سنائی۔

"تو تم نے عرضی لکھ دی؟"

"جی نہیں۔"

"تو بھئی... عرضی لکھو اور ٹائپ کروا کر کل ضرور وہاں پہنچا دو۔"

وہ عرضی لکھنے بیٹھا۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ کیا لکھے، کیسے لکھے۔ پہلے اس نے پنسل سے عرضی لکھی۔ کاٹ چھانٹ کے بعد روشنائی سے لکھ کر باپ کو دکھائی۔ باپ نے ناپسند کی اور بُرا سا منہ بنا کر ایک خوشامدانہ عرضی خود لکھی۔ وہ اسی وقت دونی جیب میں ڈال کر اسے ٹائپ کروانے چلا گیا۔

دوسرے دن جب وہ عرضی لے کر دفتر میں پہنچا تو اسسٹنٹ کنٹرولر نے صرف ڈیڑھ گھنٹہ انتظار کروانے کے بعد اس کی عرضی لے لی۔ منہ سے صرف یہی کہا کہ ایک ہفتے کے بعد آؤ۔

چنانچہ جب وہ ایک ہفتہ کے بعد وہاں پہنچا، تو اسسٹنٹ کنٹرولر نے کہا۔

"سپرنٹنڈنٹ کے پاس جاؤ۔"

سپرنٹنڈنٹ سڑیل مزاج شخص تھا۔ وہاں ہر کوئی اپنی جگہ فرعون سے کم نہ تھا۔ سپرنٹنڈنٹ نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اور پھر چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس طرح وہ دو تین مرتبہ کمرے کے اندر آیا اور باہر گیا۔ لیکن اس نے کچھ نہ کہا۔ آخر تنگ آ کر اس نے اسے کہا۔

"جناب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"بھئی ہیڈ کلرک کے پاس جاؤ، ایک مرتبہ جو کہہ دیا تم سے۔"

مُنی لال کو بہت غصّہ آیا۔ اسے ایک مرتبہ بھی اس نے وہاں جانے کے لیے نہ کہا تھا۔ تاہم وہ غصّہ دباتے ہوئے بولا۔

"آپ نے مجھے تو یہ کہا ہی نہیں۔"

اس پر سپرنٹنڈنٹ جھنجھلا کر بولا۔

"اب تو کہہ دیا نا۔"

وہ ہیڈ کلرک کے پاس پہنچا۔ ہیڈ کلرک نے کہا۔

"جناب ادھر کھڑے ہو کر انتظار کیجئے۔ دیکھئے نا آپ کی طرح اور لوگ بھی تو آئے ہوئے ہیں۔"

چند پژمردہ صورت نوجوان ایک طرف کھڑے ہوئے تھے۔ وہ لوگ خوفزدہ مرغیوں کی طرح کھُسر پھُسر کر رہے تھے۔ یہ بھی ان کے قریب جا کھڑا ہوا۔ پہلے تو انہوں نے اس کی طرف دیکھا ہی نہیں، پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ ایف اے پاس ہے، تو چونکہ وہ خود دسویں پاس ہی تھے۔ اس لئے وہ اس سے گھل مل کر باتیں کرنے لگے۔ اس طرح کھڑے کھڑے ان کو بہت دیر ہو گئی۔ باتیں کرتے کرتے وہ تھک گئے، ٹانگیں دُکھنے لگیں لیکن وہاں کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔

مُنی لال نے گھنٹہ بھر کے بعد ہیڈ کلرک کو یاد دہانی کرائی تو وہ بولا۔

"ابھی تمہاری عرضی اوپر گئی ہوئی ہے۔ وہاں سے آجائے تو پھر کچھ بتایا جا سکے گا۔"

اس کا لہجہ اس قدر خشک تھا کہ مُنی لال خاموشی سے واپس چلا آیا۔ اور دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

اس طرح وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ چار بج گئے۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ بھوک لگ رہی تھی۔ اتنے میں ہیڈ کلرک نے اس کا نام لے کر پکارا۔ جب یہ قریب پہنچا تو اس نے کہا۔

"لو پہلے تمہارا کام ہی کئے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اسے ایک چٹھی دی اور کہا کہ فوراً "چیکھو محلہ" میں پہنچ کر وہاں کے وارڈ افسر کے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ آج ضرور پہنچ جانا، یہ نہ ہو کہ آج کا دن گول کر جاؤ۔"

وہ فوراً چیکھو محلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اشتنگ برانچ کا دفتر پوچھتا ہوا بڑی مشکل سے وہاں پہنچا۔ سائیکل کو تالا لگا کر اندر داخل ہوا۔ اس کمرے میں ایک بڑی میز کے سامنے چرخ کی سی صورت والا ایک شخص بیٹھا تھا، جس کے چہرے سے وحشت اور خشونت کے آثار ہویدا تھے۔

اس نے اسے سلام کیا اور چٹھی اس کے آگے رکھ دی۔

اس نے ایک نظر دیکھ کر چٹھی ایک طرف پھینک دی۔

"ادھر جاؤ۔"

وہ ادھر دیکھنے لگا۔

"کدھر جناب!"

"ہیڈ کلرک کے پاس۔"

اسے یہ تو پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا کہ ہیڈ کلرک کہاں ہے۔ خیر وہ ایک اور بڑے کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہاں بڑی بڑی میزوں پر کاغذات اور فائلوں کے انبار پڑے تھے۔ کمرے میں قدرتی روشنی کسی طرف سے بھی داخل نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے برقی روشنی ہو رہی تھی۔

وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ ہیڈ کلرک ایک بوڑھا سکھ تھا، جس کے سر پر ایک بڑا سفید پگڑ تھا، وہ صورت سے بھتنا دکھائی دیتا تھا۔

اس نے کاغذ کا وہ پُرزہ اس کے آگے رکھ دیا۔ اس نے اپنا پوپلا منہ کھولا۔

"اچھا تو آپ کو بھیجا گیا ہے یہاں۔"

یہاں پہنچ کر اسے "آپ سے" کہہ کر مخاطب کیا گیا۔

"اچھا بیٹھیے۔"

یہ کہہ کر ہیڈ کلرک نے ایک رجسٹر نکالا۔ اس کے کچھ خانوں میں چند حروف لکھے۔

"ہاں صاحب تو کیا تنخواہ مقرر ہوئی آپ کی.... اٹھاسٹھ اور جمع سولہ... ڈیئرنیس الاؤنس کل چھیاسی۔ آپ ایف۔ اے پاس ہیں نا۔ یہاں تو چونتیس چونتیس پر کام کر رہے ہیں لوگ۔"

اسے کچھ فخر محسوس ہوا کہ وہ سینئر کلرک مقرر ہوا تھا۔ اگرچہ کام وہی تھا لیکن وہ تھا تو سینئر۔

پانچ بجے دفتر میں چھٹی ہوتی تھی۔ ساڑھے چار ہو چکے

تھے۔ ہیڈ کلرک نے منی لال سے کہا کہ جتنا وقت باقی ہے، اس میں جو کچھ وہ کرسکتا ہے کرے۔

چنانچہ منی لال کو ایک ہولڈر ایک دوات اور میز پر فائلوں کا ایک انبار مل گیا۔

وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اور لوگ بھی کام کر رہے تھے۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ اس کا کام کیا ہے۔ نہ ہی کسی ساتھی نے اسے کچھ بتایا۔ اس نے ہمت کر کے خود ہی ایک کلرک سے پوچھا کہ ان فائلوں کا کیا کیا جائے گا۔ اس نے جلدی سے کہا گگن سنگھ سے پوچھو۔

یہ گگن سنگھ کون بلا تھا وہ کیا جانے۔ لاچار ہو کر وہ ہولڈر کی ڈنڈی سے کان کریدنے لگا۔ اتنے میں ہیڈ کلرک نے اسے بے کار بیٹھے دیکھ لیا۔ اصل معاملہ بھانپ کر فوراً گگن سنگھ کو آواز دی۔ گگن سنگھ آیا۔

وہ ایک بہت ہی غلیظ سکھ تھا۔ نہ اس کی داڑھی صاف تھی نہ اس کی پگڑی اچھی طرح بندھی ہوئی تھی، نہ اس کے بال کنگھے سے صاف کئے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ وہ بڑے بڑے میلے دانت نکال کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے بڑے پیچیدہ طریقے سے سمجھایا کہ فائل میں نمبر وار راشن کارڈ لینے والوں کے نام، ان کے گھر کے افراد کی تعداد اور دیگر ضروری باتیں لکھی تھیں، ان کو کورے راشننگ کارڈ میں پر کرنا تھا۔

یہ سخت تھکا دینے والا کام تھا۔ فائلوں میں انگریزی افسروں نے ایسے خراب خط میں سب "ضروری باتیں" لکھی تھیں کہ انہیں پڑھنا ناممکن تھا۔ تین چار بجے تک بڑی مشکل سے اس نے تین چار کارڈ تیار کئے۔ پھر اس نے سوچا کہ اب چھٹی ہوجائے گی۔ لیکن وہاں چھٹی کے آثار ہی نظر نہ آتے تھے۔ سب کلرک جلدی جلدی کام بھگتانے میں مصروف تھے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ایک سے پوچھا کہ اب چھٹی کیوں نہیں کرتے۔

وہ کہنے لگا۔

"ابھی صاحب بیٹھا ہے۔"

"صاحب کون؟"

"وارڈ افسر۔"

وہ پھر کارڈ بنانے لگا۔ چھ بجے کے قریب "صاحب" اندر آیا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا ادھیڑ عمر کا میلا سا شخص تھا۔ اس کے کپڑے ڈھیلے اور بے رنگ سے تھے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا وہ اندر آیا۔ اسے دیکھ کر سب لوگ اور بھی پھرتی کے ساتھ کام کرنے لگے۔

اس نے پوچھا کتنا کام ہوا ہے؟ اور پھر علیحدہ میز پر بیٹھے ہوئے ایک شخص کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جگدیو! آج کے دن کا کام تو لکھ لو۔"

جگدیو ایک ہاتھ میں کاغذ اور دوسرے میں قلم لئے دور ہی سے پکار کر پوچھنے لگا۔

"تم نے کتنے کارڈ بنائے؟"

"ایک سو دس۔"

"اچھا تم؟"

"ایک سو تیس۔"

"تم؟"

"ایک سو۔"

"تم؟"

"ایک سو سینتالیس۔"

پھر منی لال کی باری آئی۔

"میں نے ابھی کام شروع کیا ہے۔۔"

وہ دل ہی دل میں ڈر رہا تھا۔

"خیر خیر کتنے کارڈ؟"

"سات۔"

"اچھا کل ذرا کچھ کام کرنا۔۔۔ تم؟"

سوا چھ بجے کے قریب وہ گھر کو چلا۔ بھوک کے مارے آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ چہرہ بھی اتر گیا تھا۔ ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ دفتر کی گھٹی گھٹی فضا میں بیٹھے رہنے کے سبب اس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔

گھر آیا تو معلوم ہوا اس کا باپ سیر کرنے کے لئے گیا ہوا ہے۔ وہ جاتے ہی چارپائی پر لیٹ گیا۔ بہنیں اس کے قریب آ بیٹھیں۔ ایک اس کا سر دبانے لگی۔ دوسری نے بوٹ کے تسمے کھول کر بوٹ اتار دیئے۔

اس طرح وہ کچھ دیر تک لیٹا رہا۔ کھانا تیار ہوا۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا۔ اتنے میں اس کا باپ بھی آگیا۔ آتے ہی باپ نے ملازمت کی بابت دریافت کیا۔ سب حال معلوم ہوجانے پر وہ بہت خوش ہوا، اور پرماتما کا شکریہ بجا لایا۔ اور پھر اپنے اس دوست کی تعریف کے پل باندھنے شروع کئے جس نے سفارشی خط دیا تھا۔

اس دن جب وہ کھانا کھانے لگا تو اسے کسی قسم کی پریشانی محسوس نہیں ہوئی آج گھر میں اس کی قدر ہو رہی تھی۔ اب وہ کمانے لگا تھا۔ اس کی وجہ سے گھر میں ہر مہینہ پچھتر روپے آیا کریں گے۔ اب دوسرا بیل بھی کولہو کے آگے جت گیا تھا۔

بقیہ :-

نکسن اور بریزنیف کا مشترکہ اعلامیہ

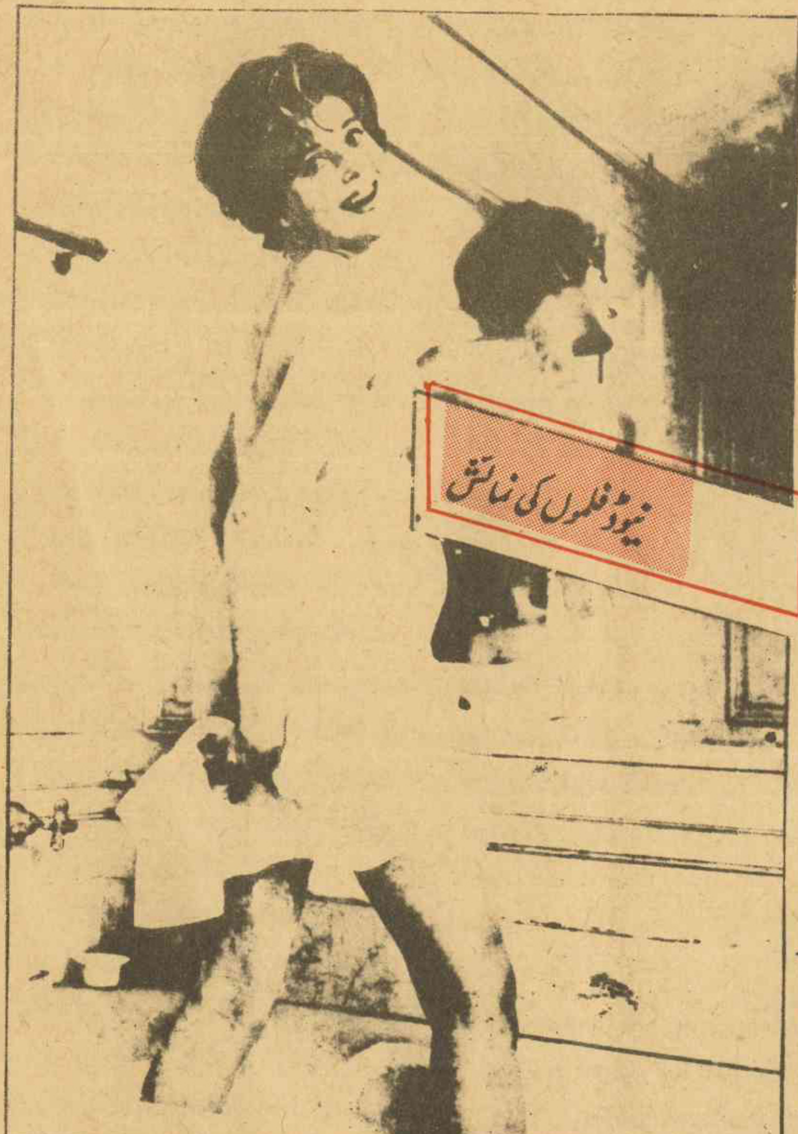
طاقت کو کھلنا تھا تاکہ سارے کرۂ ارض پر روس اور امریکہ کی برتری قائم رہے۔ اس پالیسی کا چین اور فرانس پر شدید ردعمل ہوا۔ اور انہوں نے بڑی طاقتوں کی اجارہ داری کی مخالفت کی اور یہی کشمکش اب تک جاری ہے۔ چین نے یہ پیشکش کی کہ تمام ایٹمی طاقتیں اپنے تمام، ایٹمی ہتھیار تباہ کر دیں اور مکمل طور پر تخفیف اسلحہ کا معاہدہ کریں۔

امریکہ نے چین کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر اقوام متحدہ میں اس کی رکنیت کی حمایت کی۔ اس کے علاوہ چین سے تعاون کے راستے بھی نکالے اور غالباً انہی حالات کے تحت ویت نام میں جنگ بندی کا معاہدہ بھی ہوا۔ اس سے ذرا قبل جاپان اور چین کے حالات پچاس سال کے بعد روبمعمول ہوئے۔ ان تمام واقعات سے عالمی مسائل میں چین کی بڑھتی ہوئی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اب عالمی سیاست دو قطبی محور سے ہٹ کر سہ قطبی یا چہار قطبی ہوچکی ہے یعنی اب دو طاقتیں دنیا کو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں نہیں بانٹ سکتیں اب چین اور فرانس فرداً فرداً آزاد پالیسی پر عمل پیرا ہیں جو روس اور امریکہ کے اثر سے آزاد ہے۔ اس سے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی درمیانی اور چھوٹی قوموں کو اپنی خارجہ پالیسی کو صحیح خطوط پر مرتب کرنے کا موقع ہاتھ آیا ہے۔ اور اب بڑی طاقتوں کا حلقۂ اثر سمٹنے لگے گا اور اس طرح بین الاقوامی سیاست میں صحت مند رجحانات پیدا ہوں گے جس سے امن کے امکانات روشن ہوجائیں گے۔

الفتح رپورٹ

عریاں فلمیں نئی نسل کے خلاف ایک خطرناک سازش



پی ای سی ایچ میں دو پُر اسرار گاڑیوں کی نقل و حرکت

دونوں گاڑیاں بڑے پراسرار انداز سے پی ای سی ایچ ایس کی سڑکوں پر چکر لگا رہی تھیں۔ گاڑیوں میں ماڈرن قسم کے نوجوان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے لمبے لمبے بال کندھوں پر لہرا رہے تھے۔ اور وہ بڑی گرم جوشی سے سیکس کی پراسرار گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھے۔ ان کی گفتگو عامیانہ اور خالص بازاری قسم کی تھی۔ عورت کے جسم کا تذکرہ ریفریجریٹر میں رکھے ہوئے پھلوں کی طرح کر رہے تھے۔ اس وقت رات کے تقریباً دس بج چکے تھے۔ بیشتر دوکانیں بند ہو چکی تھیں، ہوٹل اور پان کی دوکانیں کھلی ہوئی تھیں اور کچھ لوگ کھڑے ہوئے اِدھر اُدھر کی ہانک رہے تھے۔ چند لوگ پان اور سگریٹ بھی خرید رہے تھے۔

کیفے لبرٹی کے قریب جب ایک لمبا چکر دے کر دونوں گاڑیاں تیسری بار مڑیں تو اندر بیٹھا ہوا ایک نوجوان سمنایا۔ "آخر کب تک ہم ان سڑکوں پر مٹر گشتی کرتے رہیں گے؟" اس نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"دس بج رہے ہیں کہیں زیادہ احتیاط ہمیں کسی مصیبت میں نہ پھنسا دے۔"

ڈرائیونگ کرنے والے نوجوان نے جواب دیا۔ "علیم نے اگلے چوراہے پر ملنے کا وقت دیا تھا۔ وہ ابھی تک وہاں نہیں پہنچا۔ کہیں کوئی لفڑا تو نہیں ہو گیا؟"

سیکس پر بحث ختم ہو چکی تھی اور اب ہر شخص یہ سوچ

رہا تھا کہ کہیں آج کا پروگرام کسی بدمزگی پر نہ ختم ہو جائے۔ گاڑی کے اندر ایک جھنجھلا دینے والی خاموشی پھیل چکی تھی۔ اگلی نشست سے ایک نوجوان نے اپنی دراز زلفوں کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا "عظیم اتنا بے وقوف نہیں، اگر کوئی خطرے کی بات ہوتی تو وہ ہمیں خبردار کر دیتا"

تیسری بار جب دونوں گاڑیاں سوسائٹی کے مختلف چوراہوں اور سڑکوں سے گذرتی ہوئی مقررہ جگہ پر پہنچیں تو عظیم نیم تاریکی میں کھڑا ہوا مل گیا۔ اس کے ساتھ دو اور آدمی تھے ان میں سے ایک ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا بڑا سا تھیلا تھا۔ تھیلا وزنی دکھائی دے رہا تھا۔ گاڑیاں رک گئیں، اور عظیم ان دونوں کے ساتھ پہلی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیونگ کرنے والے نوجوانوں نے پوچھا "کدھر کا رخ کروں؟" عظیم نے نرمی آہستگی سے جواب دیا اور پھر دونوں گاڑیاں ایک سنسان سڑک کی جانب مڑ گئیں۔ تقریباً ایک فرلانگ راستہ طے کرنے کے بعد دونوں گاڑیاں آگے پیچھے ایک بڑے سے بنگلے کی دیوار کے ساتھ کھڑی ہو گئیں۔ عظیم فوری طور پر گاڑی سے نہیں اترا بلکہ سیٹ پر بیٹھا بیٹھا ارد گرد کے ماحول کا گہری نظر سے جائزہ لیتا رہا۔ اس نے جب اچھی طرح اطمینان کر لیا تو گاڑی سے نیچے اتر آیا۔ اور بنگلے کے آہنی پھاٹک پر دستک دی۔ اندر سے کسی نے فوراً پھاٹک کا درمیانی حصہ کھول دیا۔ عظیم نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور خود اندر داخل ہو گیا۔

عظیم کا اشارہ ملتے ہی گاڑی میں بیٹھے ہوئے نوجوان دو دو کی ٹولی میں بڑی خاموشی سے بنگلے میں داخل ہو گئے اندر پورا بنگلہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ البتہ کاریڈور میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ لان میں کھڑے ہوئے نیم اور جنگلی بادام کے درخت بڑے پراسرار دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سب مختلف کمروں سے گذرتے ہوئے ایک بڑے سے ہال نما کمرہ میں داخل ہو گئے۔

عظیم کے ساتھی نے سیاہ رنگ کے تھیلے سے ایک چھوٹا سا فلم پروجیکٹر نکال کر میز پر رکھ دیا۔ عظیم کے دوسرے ساتھی نے سامنے کی دیوار پر ایک سفید چادر باندھ دی۔ پروجیکٹر پر فلم کی ریلیں چڑھائی گئیں۔ اور جب یہ سارا کام مکمل ہو گیا تو عظیم نے سوئچ بورڈ کی جانب ہاتھ بڑھا کر کمرے کی بتی بجھا دی۔

یہ ایک نیوڈ فلم کی خفیہ نمائش تھی۔ ایسی فلموں کی نمائش پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں ایک خوفناک وبا کی طرح پھیل رہی ہے۔ نئی نسل میں اس قسم کی فلموں کا کریز بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو پوری قوم کو اخلاقی طور پر تباہ کر دے گی۔ کراچی میں بہت دنوں سے اخلاق سوز فلموں کی خفیہ نمائش کا سلسلہ جاری ہے۔ میں تقریباً دو ماہ سے کسی ایسی پارٹی کی ٹوہ میں تھا جس کے ذریعے اس کاروبار کی تہہ تک پہنچا جا سکے۔ ہماری اطلاعات کے مطابق نیوڈ فلموں کی نمائش عام طور پر ایسے مقامات پر کی جاتی ہیں جہاں قانون کی نگاہیں کم پہنچتی ہیں۔ سوسائٹی کے بنگلے دوسری جگہوں کی نسبت زیادہ محفوظ سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی تمام توجہ اسی علاقے پر مرکوز رکھیں بالآخر ایک ہپی نوجوان کی دوستی بہت قلیل مدت میں مجھے اس جگہ پہنچانے میں کامیاب ہو گئی جہاں تک پہنچنے کے لئے ابھی ایک لمبے عرصہ تک انتظار کرنا پڑتا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ فلم کی دعوت دینے سے قبل مجھے ہر طرح سے ٹٹولا گیا۔ بات چیت کی گئی اور جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ میں ایسی فلموں کا "رسیا" ہوں تو ایک دن اچانک اس ہپی نوجوان کی معرفت مجھے یہ مژدہ سنایا گیا کہ فلاں دن خیام سینما کے قریب پہنچو، ساتھ میں پچاس روپے لیتے آؤ۔ مقررہ تاریخ کو جب اس جگہ پہنچا تو پانچ منٹ کے اندر اندر ایک چاکلیٹی رنگ کی بڑی سی گاڑی اس جگہ پہنچی اور دراز زلفوں والے نوجوان نے کھڑکی سے سر نکال کر مجھے اشارہ سے گاڑی میں بٹھا لیا۔ ان کا انداز خاصہ پراسرار اور محتاط تھا۔ میرے جسم میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ کچھ خوف بھی محسوس ہوا کہ کہیں میرا راز فاش نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد میری درگت ہی بنتی۔ یہ مانا کہ ان میں سے بیشتر نوجوان لچکیلے جسم اور ریشمی لحاف کی مانند تھے پھر بھی اگر ایسے دس پندرہ نازک صفت نوجوان ایک بے یار و مددگار شخص سے لپٹ جائیں تو تھوڑی بہت "مرمت" کی گنجائش نکل ہی آتی ہے۔ ہم نے تو عورتوں کے ہاتھوں بڑے بڑے دھانسو قسم کے مردوں کو اپنا سر بچاتے ہوئے دیکھا ہے۔

فلم کیا تھی بس یوں سمجھ لیں کہ جنسی کجروی کا مجموعہ تھی۔ آدم اور حوا کو رسوا کیا گیا تھا۔ عورت اور مرد کے تعلقات کے ساتھ ایک بھیانک مذاق تھا۔ ہر سین میں انسانیت اس کے پاکیزہ اور اعلیٰ اقدار کے چیتھڑے اڑائے گئے تھے۔ سیکس سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں، لیکن اس فلم میں سیکھنے اور سکھانے کی بجائے نوجوان نسل کو گمراہ کرنے کا پہلو نمایاں تھا۔ کمرے کی گھٹی گھٹی فضا میں سگریٹوں کے دھوئیں پھیل رہے تھے، کھڑکیاں بند تھیں اور ان پر بھاری پردے ڈال دیئے گئے تھے۔ پنکھے کی ہوا سے آنکھوں میں مرچیں لگ رہی تھیں۔ فرش پر دو دو تین تین کی ٹکڑیوں میں بیٹھے



کراچی میں قابل اعتراض فلموں کی نمائش وبا کی صورت اختیار کر گئی

ایک با اثر اور منظم گروہ نے پورے پاکستان میں اپنا جال پھیلایا

ہوئے لڑکے ہر سین پر اپنے دانت کٹکٹاتے اور گھٹی گھٹی سسکاریاں لیتے۔ انسان خود کو برہنہ دیکھ کر کتنا خوش ہوتا ہے، اس کا تجربہ پہلی بار ہوا۔

کراچی میں فحش فلموں کی نمائش ایک منظم سازش کے تحت کی جا رہی ہے، اس میں سینما کے بعض مالکان بھی شامل ہیں جو صاف ستھری فلم کی نمائش کے درمیان نیوڈ منظر شامل کر کے فلم بینوں میں ایک جذباتی ہیجان پیدا کر دیتے ہیں۔ اس طرح فلم کی نمائش زیادہ دنوں تک ہوتی ہے۔ اور خوب دولت کماتے ہیں۔ کراچی کا ایک سینما اس معاملے میں خاصہ بدنام ہے۔ اس سینما ہال میں عام طور پر جرمنی، فرانس اور اٹلی کی بنی ہوئی فحش فلموں کی نمائش ہوتی ہے۔ سنسر شدہ مناظر بھی نمائش کے درمیان اچانک دکھائے جاتے ہیں۔ یہاں بوگس ترین فلموں پر بھی تماش بینوں کا رش لگا رہتا ہے۔ اس سینما کے خلاف ایک آدھ مرتبہ برائے نام کاروائی بھی کی گئی، مگر نیوڈ مناظر کی نمائش کا سلسلہ ختم نہیں کیا گیا۔

ابھی حال ہی میں فلم کے شو کے دوران جب نیوڈ منظر کاٹا گیا تو ہال میں قیامت کا شور مچ گیا۔ دکھاؤ دکھاؤ کی آوازوں سے سینما کی چھت اڑنے لگی۔ بپھرے ہوئے لوگوں نے کرسیاں توڑ دیں اور پردے پھاڑ دیئے۔ یہ اس آگ کے تند خو شعلے تھے جنہیں سینما کے مالک نے ہوا دی تھی۔ چند دنوں کے بعد اسی سینما میں جگہ جگہ موٹے حروف میں تختیاں لگائی گئی تھیں۔ ”اس سینما میں سنسر شدہ فلمیں دکھائی جا رہی ہیں، شور مچانے اور سینما [illegible] نے والوں کو پولیس کے حوالے کیا جائیگا۔“



آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ اس کے باوجود گاہے بگاہے اس سینما میں اب بھی نیوڈ منظر دکھا کر رش بڑھانے کا سلسلہ جاری ہے۔

پاکستان کے مختلف شہروں میں پچھلے ایک سال کے دوران بڑے منظم طریقہ سے قابلِ اعتراض فلمیں دکھائی جا رہی ہیں۔ اس سلسلے میں ہم نے اپنے طور پر جو معلومات حاصل کی ہیں ان کے مطابق ایک منظم گروہ سرگرم عمل ہے۔ اس کے ارکان بڑی رازداری سے شہروں میں اپنا جال پھیلاتے ہیں۔ گمراہ نوجوانوں کو اپنے گرد اکٹھا کرتے ہیں اور پھر ان کے ذریعہ اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ اس طرح خفیہ گروہ کے

اعلیٰ طبقہ کی رہائشی کالونیاں سازشوں کا گڑھ بن گئیں

ارکان ایک طرف شوقین مزاج لوگوں سے روپیہ بٹورتے ہیں، اور دوسری طرف اخلاق سوز فلموں کے ذریعہ نوجوانوں میں ذہنی بیماری کو فروغ دیتے ہیں۔ یہ بھی پتا چلا ہے کہ گروہ کے ارکان خاصے اثر و رسوخ کے مالک ہیں۔ پولیس اور نوکر شاہی کو کھلاتے پلاتے ہیں۔ اس لئے ان کی سماج دشمن سرگرمیاں تیز تر ہوتی جا رہی ہیں۔ پولیس دکھاوے کے لئے ایک آدھ بار چھاپہ مار کر انہیں گرفتار بھی کر لیتی ہے۔ لیکن بعد میں گروہ کے ارکان حیرت انگیز طور پر رہا ہو جاتے ہیں۔ انکی جگہ بے چارے شوقین مزاج لوگ جیل کی ہوا کھاتے ہیں۔ اور اپنی پیشانی پر بدنامی اور رسوائی کے داغ سجاتے ہیں۔

ایران اور ترکی میں کیا ہوتا ہے؟

سامراج ترقی پذیر اور پس ماندہ ملکوں میں اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔ کہیں وہ گندم کی بھیک دے کر اپنا سیاسی اثر بڑھاتا ہے، کہیں سامانِ حرب اور فوجی معاہدوں کا جال پھیلاتا ہے اور کہیں وہ نئی نسل میں بگاڑ اور اخلاقی تباہی پھیلانے کے لئے فحش لٹریچر اور نیوڈ فلمیں سپلائی کرتا ہے۔ نیوڈ فلمیں نشہ اور گولی ہے۔ اس کی لت پڑ جائے تو مشکل سے چھوٹتی ہے۔ امریکی سامراج نے ایران اور ترکی میں اس گھناؤنے حربے کا کامیابی سے تجربہ کیا ہے۔ تہران، انقرہ اور استنبول کی یونیورسٹیوں میں اس قسم کا لٹریچر بڑی باقاعدگی سے بھیجا جاتا ہے۔ ہوسٹل کے ہر کمرے میں راتوں رات حیا سوز کتابیں، رسالے اور کتابچے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ سامراج کے ایجنٹ طلبہ کو فحش فلمیں دیکھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور بعد میں فلموں کی نمائش کا خود انتظام کرتے ہیں۔

امریکی سامراج نے نوجوان نسل کو گمراہ کرنے کی حکمتِ عملی سی۔ آئی۔ اے کی اس خفیہ رپورٹ پر تیار کی جس میں ایران اور ترکی میں کمیونزم کے بڑھتے ہوئے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ ایران اور ترکی کی نسل میں انقلابی رجحانات بڑھتے جا رہے ہیں، اور افکارِ مادی بڑی تیزی سے مقبول ہوتا جا رہا ہے۔ اس سیلاب کے آگے صرف ایک طریقے سے پل باندھا جا سکتا ہے۔ نوجوان نسل میں نیوڈ فلموں اور فحش کتابوں کے ذریعہ ذہنی ابتری پھیلائی جائے“۔ ترکی اور ایران کی حکومتوں نے اس فیصلے پر اپنا ٹھپہ لگا دیا کیونکہ انہیں بھی انقلابی نظریات سے زبردست خطرہ لاحق تھا۔

(باقی صفحہ ۱۳۱ پر)

خیبر سے کیماڑی تک

کوھاٹ | ا-ک-ب

مزدوروں کو جھوٹے مقدمات میں پھنسایا جارہا ہے

ضلع کوہاٹ کے کوہاٹ ٹیکسٹائل ملز اور جنانہ ٹیکسٹائل ملز مالکان ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوہاٹ ٹیکسٹائل ملز بیگم اللہ کی ملکیت ہے، جبکہ جنانہ ملز جنرل حبیب اللہ کی ملکیت ہے۔ یہ خاندان ملک کے ان ۲۲ گماشتہ سرمایہ دار خاندانوں میں سے ایک ہے، جو کہ مزدوروں کسانوں اور مظلوم عوام کا خون چوسنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔ اس خاندان کو صوبہ سرحد کی سیاست میں بھی کافی اہمیت حاصل ہے۔ بیگم سیف اللہ اور ان کے فرزند ہمایوں سیف اللہ صوبائی اسمبلی کے رکن ہیں۔ ہمایوں سیف اللہ آج کل صوبائی کابینہ میں وزیر تعمیرات ہیں جبکہ بیگم سیف اللہ کے دوسرے فرزند انور سیف اللہ تحصیل ہنگو ضلع کوہاٹ میں اسسٹنٹ کمشنر ہیں۔ اسلم خٹک جو کہ صوبہ سرحد کے گورنر ہیں، بیگم سیف اللہ کے بھائی ہیں جنرل حبیب اللہ بھی اسلم خٹک اور بیگم سیف اللہ کے بھائی ہیں۔ اس خاندان کے ان دو صنعتی اداروں میں تقریباً تین ہزار مزدور پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے کام کرتے ہیں۔ لیکن آج کل ملز مالکان کو شاید یہ بھی گوارہ نہیں ہے کہ مزدور روٹی کے دو ٹکڑے کمائیں۔ اس لئے مالکان نے مزدوروں کے خلاف گھناؤنی سازشیں شروع کر دی ہیں۔ ابتدا میں ان صنعتی اداروں میں مزدوروں کو ان مراعات سے بھی محروم کیا ہوا تھا، جو کہ ملک کے دیگر صنعتی اداروں میں مزدوروں کو حاصل ہیں۔ مالکان نے پاکٹ یونین بنا رکھی تھی جس کا کام محض مزدوروں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا اور مالکان کو رپورٹ دینا تھا۔ لیکن جب مزدوروں میں بیداری پیدا ہوئی اور پاکٹ یونین کے خلاف مزدوروں میں نفرت پیدا ہوئی تو مالکان نے لالچ اور دھمکیوں سے کام لینا چاہا، لیکن باشعور مزدوروں نے انتظامیہ کے اس حربہ کو ناکام بنا ڈالا۔ اور مزدوروں نے اپنی نمائندہ یونین بنا ڈالی انتظامیہ کو بھلا مزدوروں کی یہ جرأت کیسے برداشت ہو سکتی تھی اس نے ایک اور پاکٹ یونین بنائی، جس کے خلاف مزدوروں میں سخت نفرت کا اظہار کیا گیا۔ مزدوروں نے لیبر ڈیپارٹمنٹ کی وساطت سے ریفرنڈم کا مطالبہ کیا۔ انتظامیہ نے ریفرنڈم کے دوران ہر قسم کی دھاندلیاں کیں اور اپنا اثر استعمال کیا لیکن مزدوروں نے انتظامیہ کے اس حربے کو بھی ناکام بنا دیا۔ لہٰذا اس نے مزدوروں سے انتقام لینے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن اس میں چونکہ مرکزی حکومت، اور صوبہ سرحد کی حکومت میں اختلافات موجود تھے۔ صدر بھٹو، اسلم خٹک اور جنرل حبیب اللہ کے درمیان اختلافات تھے۔ اس لئے انتظامیہ کو زیادہ جرأت نہ ہوئی تھی۔ لیکن جب سیاست میں تبدیلی ہوئی اور اسلم خٹک گورنر بنے اور جنرل حبیب اللہ اور مرکزی حکومت کے درمیان دوستی ہو گئی تو انتظامیہ نے مظلوم مزدوروں کو کچلنے کے لئے دوبارہ سازشیں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے کوہاٹ ٹیکسٹائل ملز میں علاقائی تعصب پھیلا کر مزدوروں پر اپنے غنڈوں سے حملہ کروایا، جس میں کئی مزدور زخمی ہو گئے اور جنانہ ملز کے صدر کو گیٹ اسٹاپ کر دیا گیا۔ مزدوروں نے جدوجہد کی، جس سے جنانہ ملز یونین کے صدر کو دوبارہ بحال کر دیا گیا۔ لیکن کوہاٹ ٹیکسٹائل ملز میں ابھی تک مزدوروں کو کچلنے کے لئے کاروائیاں جاری ہیں۔ یونین کے عہدیداروں کو گیٹ اسٹاپ کر دیا گیا ہے۔ آئے دن مقدمات میں پھنسایا جا رہا ہے۔ ظلم اور ناانصافی کی حد ہے کہ ایک دفعہ ۱۰۷/۱۵۱ میں پابند ہونے کے باوجود اسی دفعہ کے تحت مزدوروں کو دوبارہ صفائی کے لئے تنگ کیا جا رہا ہے۔ مزدور جب یونین کے عہدیداروں کو چندہ دیتے ہیں تو پولیس گھر کی لونڈی کی طرح پہنچ کر مزدوروں اور یونین کے عہدیداروں کو ڈراتی دھمکاتی ہے اور چندہ دینے سے منع کرتی ہے۔ یونین کے عہدیداروں کو کئی مقدمات میں ملوث کر کے ان کو تنگ کیا جا رہا ہے۔ لیکن دوسری طرف ضلعی انتظامیہ اور لیبر ڈیپارٹمنٹ ایک خاموش تماشائی بنا بیٹھا ہے۔ گورنر سرحد اور وزیر تعمیرات کے مقابلہ میں مزدوروں کا ساتھ دینا ویسے بھی بڑے صاحب کو ناراض کرنے کے مترادف ہے۔ جس کا نتیجہ ملازمت سے برطرفی کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ مزدوروں نے مجبور ہو کر مرکزی حکومت سے رجوع کیا۔ لیکن اسلام آباد سے بھی مایوسی ہوئی۔ کیونکہ آجکل حبیب اللہ اور اس کا خاندان مرکزی حکومت کی "گڈ بکس" میں ہے۔ پہلے کوہاٹ ٹیکسٹائل ملز کا لائسنس منسوخ کر دیا تھا کیونکہ بقول وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن یہ لائسنس فوجی ٹولہ نے سیاسی رشوت اور ناجائز طور سے اپنے منظور نظر افراد کو دیئے تھے۔ اب لائسنس بحال کر دیا گیا ہے۔ انتظامیہ

سرحد کی سیاست
اور تجارت پر
جنرل حبیب اللہ
خاندان کی اجارہ داری

اورحکومت کے ظالمانہ اقدامات اور رویہ کے باوجود مزدور بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کررہے ہیں اور ان میں بیداری پیدا ہورہی ہے۔ وہ سمجھ گئے ہیں کہ محض شخصیتوں کے بدلنے سے ہمارے مسائل حل نہیں ہوسکتے مزدور —— اپنے آپ کو لمبی اور کٹھن جدوجہد کے لئے تیار کررہے ہیں کہ اس استحصالی نظام کو بدل دیا جائے اور مزدور کسان راج قائم ہوجائے۔

گجرات

ڈیوٹی کے دوران ہلاک ہونے والے مزدوروں کے لواحقین کو معاوضہ نہیں دیا جاتا

-: افتخار الحق تراب :-

آپ نے اکثر لب سڑک محنت کشوں کو پتھر کوٹتے دیکھا ہوگا۔ اور شاید آپ نے کبھی ان محنت کشوں کے حالات جاننے کی بھی ضرورت محسوس کی ہو، جو پتھروں کو اپنے سخت ہاتھوں سے ایک سانچے میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔ ان محنت کشوں کی ایک بڑی تعداد اٹک سے لاہور تک پتھروں کے بناؤ سنگھار میں مصروف نظر آئے گی۔ ان میں اکثریت صوبہ سرحد کے جیالے محنت کشوں کی ہے، جو نہایت قلیل اُجرت میں کئی سالوں سے یہ کام کررہے ہیں۔ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں یہ معمار کس طرح زندگی بسر کررہے ہیں۔ اور انہیں کن کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، یہ معلوم کرنے کے لئے ہم تین ساتھی کھاریاں چھاؤنی سے نعیرہ گاؤں پہنچے، جہاں نعیرہ سے دولت نگر تک ۲۰ میل لمبی سڑک بنائی جارہی ہے۔ اس سڑک کی تعمیر کا ٹھیکہ سہگل برادران کی کنفورس لمیٹڈ کے پاس ہے۔ یہاں ہماری ملاقات ہشت نگر کے شیر خان سے ہوئی۔ وہ آجکل اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پتھر کوٹتا ہے۔ وہ ہمیں نعیرہ سے ایک میل دور اینٹوں کے ایک بھٹہ میں لے گیا، جہاں مزدوروں کی رہائش کے لئے غار نما جگہ بنی ہوئی تھی، جس میں دروازہ نام کی کسی چیز کا وجود نہ تھا۔ محنت کشوں کے پاس رکھنے کی بھی تو کوئی چیز نہیں۔ شیر خان نے ہمیں بتایا کہ جب اخبار میں ٹینڈر نکلتا ہے تو اس روڈ کمپنی کا مالک یا ٹھیکیدار محکمہ تعمیر کے ایکسین کے پاس پہنچ جاتا ہے اور اسے یقین دہانی کراتا ہے کہ وہ مزدوروں سے زیادہ سے زیادہ کام لیکر کم سے کم اُجرت دیگا۔ اور اس طرح ناجائز آمدنی میں سے ۱ سے ۶۵ فیصد کمیشن ملتا ہے۔ ایک ایکسین یا اسسٹنٹ کمشنر کے ماتحت اگرچہ ٹھیکیدار ہوں اور مہینے میں اگر ۶ لاکھ روپے کا تعمیراتی کام ہو تو ۱½ لاکھ روپیہ بغیر کسی محنت کے آفیسر کی جیب میں پہنچ جاتا ہے۔ محکمہ تعمیر کی ملی بھگت سے ٹھیکیدار جب چاہے مزدوروں کو چھٹی کرادیتا ہے۔ اور اس طرح دس دن کام لینے کے بعد بیس دن بیکار رکھتا ہے۔ سارا مہینہ پتھر کوٹنے کے بعد بھی ہم اکثر تیس چالیس روپے کے ہمیشہ مقروض رہتے ہیں۔

شیر خان نے بتایا کہ مزدوروں کو ہلکی سی اُمید تھی کہ پیپلز پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے سے شاید ان کی حالت پہلے سے کچھ بہتر ہوجائے گی۔ مگر یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ محنت کشوں کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہوگئی ہے۔ چینی ۶ روپے سیر ملتی ہے۔ گڑ تین روپے سیر بک رہا ہے۔ آٹا دال کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کررہی ہیں۔

ایک اور پتھر کوٹنے والے محنت کش گل خان نے بتایا کہ اٹک سے لاہور تک کئی جیالے مزدور کام کے دوران ایکسیڈنٹ سے مرگئے۔ کئی ایک کی آنکھیں ضائع ہوگئیں۔ کئی مزدور ٹانگوں سے محروم ہوگئے، مگر آج تک کسی ایک کے لواحقین کو معمولی سا بھی معاوضہ نہیں دیا گیا۔ ہم جو زندہ ہیں۔ ایسی زندگی سے تنگ ہیں۔ دوسری طرف نوکر شاہی طبقہ کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی ایس۔ ڈی۔ او یا ایکسین غصے میں آکر زمین پر پاؤں مار دے تو شام تک اس کے بنگلہ میں ہزاروں روپے پہنچ جاتے ہیں۔ مزدور تمام سرمایہ داروں کے عیش و آرام کا سامان مہیا کرتا ہے لیکن خود بھوکا رہتا ہے۔ مزدور کی محنت پر پلنے والے ائر کنڈیشنڈ بنگلوں میں رہتے ہیں۔ کلبوں میں جاتے ہیں، ریس میں گھوڑے دوڑاتے ہیں، ولائتی شراب سے حرام کی کمائی ہضم کرتے ہیں، اور پھر محنت کشوں کے ہاتھوں سے بنائی ہوئی سڑکوں پر مزدوروں کے ہی خون سے خریدی ہوئی امپالا گاڑیاں دوڑاتے ہیں۔ مگر اب یہ ڈرامہ زیادہ دیر تک نہیں کھیلا جاسکتا۔ محنت کش صدیوں بعد بھی نیا عزم لے کر اُٹھتے ہیں۔ انہیں احساس ہوگیا ہے کہ انہیں خاک پر لٹا کر خود تخت پر بیٹھنے والے درحقیقت ان سے کسی طور پر بھی بہتر نہیں۔ ان کی طاقت محنت کشوں کی طاقت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ظلم کے دن پورے ہوچکے ہیں۔

ایک اور محنت کش زماں گل نے کہا کہ مزدوروں اور کسانوں کے خلاف باتیں کرنے والے سرمایہ داروں کے ایجنٹوں کو چاہیئے کہ وہ بنکوں اور ڈاک خانوں میں جاکر دیکھیں اور بتائیں کہ پتھر کوٹنے والے مزدوروں نے کتنی رقم آج تک جمع کرائی ہے۔ اور کتنی تعداد ہے اُن محنت کشوں کی جنہوں نے اپنے عزیز و اقارب کو کوئی پیسہ بھیجا ہے۔ شیر خان نے بتایا کہ گزشتہ دنوں یہاں سارے علاقے میں وبا پھیل گئی کہ جس نے ہزاروں مزدوروں اور کسانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کئی محنت کش مرگئے۔ لیکن ان کے لئے طبی امداد کا بھی کوئی بندوبست نہ تھا۔ کسان ہو یا مزدور تمام محنت کش مظالم کے شکار ہیں۔ انہیں اپنے حقوق کے حصول کے لئے متحد ہوکر جدوجہد کرنی چاہیئے۔

شیر خان نے کہا کہ وہ پکا سوشلسٹ ہے اور یقین رکھتا ہے کہ جب تک ملک میں محنت کشوں کی قیادت میں انقلاب نہیں آجاتا، کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ شیر خان نے اٹک سے لاہور تک پتھر کوٹنے والے محنت کشوں پر زور دیا کہ وہ سرخ پرچم تلے جمع ہوجائیں تاکہ ملک میں عوامی جمہوری انقلاب لانے کے بعد سوشلزم کی منزل کی جانب بڑھا جاسکے اور پاکستان سے لوٹ کھسوٹ کے نظام کا خاتمہ کردیا جائے۔

بقیہ عریاں فلمیں

سی آئی اے کی اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے امریکہ اور یورپ کے دوسرے ملکوں سے اخلاق سوز فلموں اور کتابوں کی بھرمار کر دی گئی۔ ایران اور ترکی کے بڑے بڑے شہروں کے بک اسٹال ان کتابوں سے لد گئے۔ کالجوں اور یونیورسٹی کے ہوسٹلوں میں چوری چھپے انتہائی فحش اور گندی فلموں کی نمائش کا طوفانی سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ ترقی پسند طلبہ نے اس کی زبردست مخالفت شروع کی، لیکن امریکی ایجنٹوں نے اپنے پالتو لڑکوں کے ذریعے طلبہ کی اس مشترکہ مہم کو سبوتاژ کر دیا۔

پاکستان کی نوجوان نسل کو ان دنوں اسی قسم کی ایک خطرناک سازش کا شکار بنایا جا رہا ہے۔ شہر کے بیشتر اسٹالوں پر فحش لٹریچر کی تقسیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ اعلیٰ طبقہ کی کالونیوں میں بڑی رازداری سے امریکہ، برطانیہ، سویڈن، ڈنمارک، جرمنی اور فرانس کی تیار کردہ قابلِ اعتراض فلموں کی نمائش کی جا رہی ہے۔ کراچی کے بیشتر سینما ہالوں میں بے سروپا فلمیں دکھائی جا رہی ہیں۔ یہ فلمیں کسی اعتبار سے معیاری نہیں ہوتیں۔ لیکن سنسر بورڈ کے ارکان کی رضامندی سے ایسی فلموں کی نمائش معمول بن چکی ہے۔ چند قابلِ اعتراض منظر دیکھنے کے لئے بکنگ آفسوں پر بھیڑ لگی رہتی ہے اور ہر شو ہاؤس فل جاتا ہے۔

مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات مولانا کوثر نیازی نے فلمی صنعت میں انقلابی تبدیلی لانے کا بلند بانگ دعوےٰ کیا تھا لیکن ان کے دورِ اقتدار میں معیاری فلموں کی تیاری تو الگ رہی، قابلِ اعتراض فلموں کی نمائش دردِ سر بن گئی ہے۔ سنسر بورڈ کے ارکان کے انتخاب میں اقربا پروری اور سیاسی تعلقات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں ایسی فلموں کی نمائش میں تیزی آ گئی ہے، جو کسی اعتبار سے ہماری تہذیب و ثقافت کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔ ابھی حال ہی میں جب پورے ملک میں قابلِ اعتراض فلموں کے خلاف عوامی ردِ عمل شدید ہو گیا تو مولانا نے عوام سے اپیل کی کہ وہ فحش فلموں کا بائیکاٹ کریں۔" یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس سازش کی تہہ میں کام کرنے والوں کو بے نقاب کرتے، سنسر بورڈ کے ضابطے کو سخت کرتے اور اخلاق سوز فلموں کی نمائش کے خاتمہ کے لیے موثر اقدام اٹھاتے، الٹا عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان فلموں کا بائیکاٹ کریں۔ گویا انہوں نے اس بات کا اعتراف کر لیا کہ وہ اس سلسلے میں عوام سے اپیل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے۔

کراچی اور پاکستان کے بڑے شہروں میں اخلاق سوز فلموں کی نمائش ایک بڑے خطرے کی گھنٹی ہے۔ حکومت اس فتنہ کی روک تھام میں غیر موثر ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ اسکی روک تھام کی کلی ذمہ داری عوام اور بالخصوص نوجوان نسل پر عائد ہوتی ہے کہ وہ میدان میں اتریں اور ان منظم پارٹیوں کا سراغ لگائیں جو بڑے پیمانے پر اخلاق سوز کاروبار میں مصروف ہیں۔

بقیہ احوال واقعی

کے محافظ کی حیثیت سے اور عبوری آئین کی روشنی میں ہی اپنی رائے دیتی۔ اور اس رائے کا احترام کرنا سب کا فرض ہے۔ کیا مسٹر پیرزادہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر سپریم کورٹ یہ رائے دیتی کہ قومی اسمبلی بنگلہ دیش تقسیم کرنے کی مجاز نہیں ہے تو کیا قومی اسمبلی اس قرارداد پر بحث کر سکتی تھی۔ ہمارے خیال میں یہ عبوری آئین کی خلاف ورزی ہوتی۔

سپریم کورٹ نے رائے دی ہے کہ قومی اسمبلی بنگلہ دیش کے بارے میں فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔ ۸ جولائی کو صدر بھٹو نے ڈیرہ اسماعیل خان میں کہا کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا اختیار دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بنگلہ دیش تسلیم ہو گیا۔ بنگلہ دیش کو اس وقت تسلیم کیا جائے گا جب حکومت کی رائے میں اسے تسلیم کرنا ملک کے بہترین مفاد میں ہو گا۔ لیکن یہ بات دل کو نہیں لگتی، کیونکہ جس بھرپور انداز میں بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے حق میں پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکمران جماعت فوری طور پر بنگلہ دیش تسلیم کرنا چاہتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہئیے کہ امریکہ، روس اور بعض دوسرے ممالک حکومتِ پاکستان پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ بنگلہ دیش تسلیم کر لیا جائے۔ خود صدر بھٹو نے سپریم کورٹ کو جو ریفرنس بھیجا، اس میں بھی کہا گیا ہے کہ "دوست طاقتوں اور برادر مسلم ممالک کی طرف سے دیئے جانے والے اس مشورہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان کے عوام اور اس علاقہ کے درمیان جو اس وقت خود کو بنگلہ دیش کہتا ہے، تعلقات معمول پر آنے سے پاکستان کے قومی مفادات کو فائدہ پہنچے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حکمران پارٹی بنگلہ دیش تسلیم کرنے کا پختہ ارادہ کر چکی ہے۔ لیکن عوامی مخالفت کے پیشِ نظر اس مسئلہ کو پیچیدہ بنایا جا رہا ہے۔ قانونی موشگافیوں میں الجھایا جا رہا ہے۔ تاکہ عوام حکومت کے حقیقی منصوبوں سے باخبر نہ ہو جائیں۔

بقیہ اداریہ

جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا محافظ ہے۔

بستی والوں کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کسطرح یہ بات منوائیں کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ اپنے اختلافات ختم کریں۔ اور وہ تمام لوگ جو مزدور کسان اور مظلوم طبقے کے دوست ہونے کے دعوے دار ہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔ ان کی بقاء کا راز اسی میں ہے۔ ان میں سے جو لوگ اپنی خرکاری کی بنیاد پر تنگ نظری یا غلط حکمتِ عملی پر گامزن ہیں اور اتحاد کی مخالفت کر رہے ہیں۔ انہیں اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے کہ وہ تشدد کا ساتھ دیں گے یا پھر قومی آزادی کی جدوجہد کے کارواں میں شامل ہونگے۔

"گدھے انقلاب کا ساز و سامان اٹھا کر یقیناً ایک حد تک مددگار اور معاون ثابت ہوں گے لیکن انقلاب کی قیادت کی توقع اُن گدھوں سے وابستہ کرنا اندھیرے میں سوئی تلاش کرنے کے مترادف ہو گا۔ انقلابی کتابوں کو حفظ کر لینے سے یا موٹی موٹی اصطلاحات کے استعمال کا نام نہیں۔ ہر ملک کے اپنے حالات ہوتے ہیں۔ وہی حالات انقلابی حکمتِ عملی کی تشکیل کی رہنمائی کرتے ہیں آج کسان بستی کھلے تشدد کا گہوارہ بنی ہوئی ہے۔ بستی سے ہٹ کر انقلاب نہیں لایا جا سکتا آج کے حالات کا تقاضا تشدد کی مخالفت اور جمہوری اقدار کی بحالی کیلئے وسیع تر متحدہ محاذ کا قیام ہے۔

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
12-19 JULY, 1973

کیا آپ معیاری کتابوں کی تلاش میں ہیں ؟

الفتح مطبوعات

خدا کی بستی ——— شوکت صدیقی
قیمت ۱۲ روپے

شنگھائی کی عورتیں ——— تورے زیتر ہوم
قیمت ۳ روپے
ترجمہ : جمیل الدین عالی — افضل صدیقی

اردو
عظیم المیہ ——— ذوالفقار علی بھٹو
مجلد ۴ روپے
غیر مجلد ۲ روپے

اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب کیجئے یا ہم سے منگوائیے

الفتح مطبوعات

۸۷ - ڈی ، پی ای سی ایچ ایس - کراچی ۲۹